میرے یورپ کا دور

یادیں

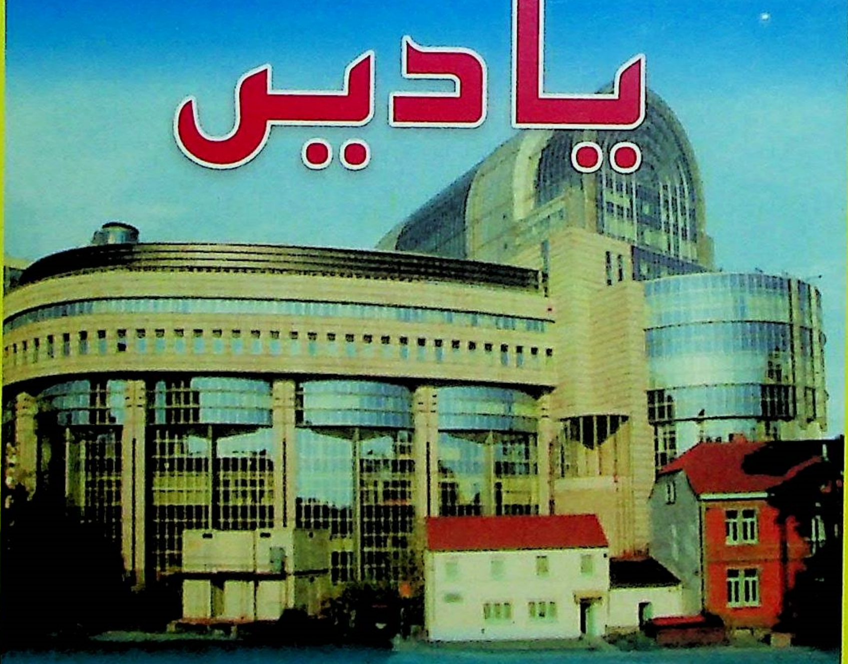

مُرتبہ

شبنم قیوم

میرے یورپ کا دور

یادیں

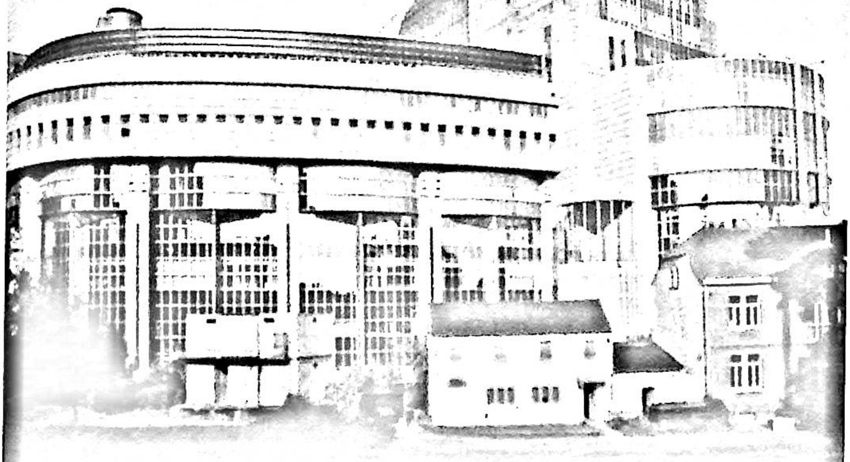

مرتبہ

شبنم قیوم

میرا سفر نامہ یورپ

یادیں

آدمی مسافر ہے آتا ہے اور جاتا ہے
آتے جاتے رستے میں یادیں چھوڑ جاتا ہے

مؤلف
شبنم قیوم

جملہ حقوق بحق محفوظ ہیں

(46 ویں تصنیف)

نام کتاب یادیں

تاریخ اشاعت ۔ 2025ء

صفحات 64

قیمت -/150 روپے

کمپوزنگ ندیم

زیراہتمام شبیراحمد

ناشر:

میزان پبلشرز اینڈ ڈسٹربیوٹرس

اپوزٹ فائرسٹیشن بٹہ مالو سرینگر کشمیر

Mob.: +91 9419002212-84940022

E-mail: meezanpublishers@gmail.com

انتساب

محترم و مکرم عبدالمجید ترمبو کے نام
عزت و احترام کے ساتھ اُن کی وساطت سے ہمیں
یورپ کی مملکت بلجیم کے سفر کا نہ صرف موقع ملا بلکہ بلجیم کی ملکہ روز میری کے ہاتھوں برسلز کی پارلیمنٹ میں انعام و اعزاز حاصل ہوا۔ نیز ملکہ کے محل میں مہمان خصوصی کا شرف تفویض ہوا۔

شبنم قیوم

تمہید

ہم نے اپنی ندگی میں کئی بیرون ممالک کا دورہ کیا۔ کئی ممالک کا دورہ طے پانے کے باوجود روبہ عمل نہ آسکا۔ ماضی میں پاکستان کا دورہ کیا تو اس کو کتابی صورت میں شائع کیا۔ ''جو کہوں گا سچ کہوں'' اُنکا عنوان دیا۔ یورپ کی اہم مملکت بلجیم کا دورہ کیا تو اسے اپنے ذاتی ویکلی اخبار''قومی وقار'' میں قسط وار شائع کیا۔

دو ماہ قبل ریاستی کلچرل اکیڈیمی سے اُن کی مطبوعات میں دو جلدوں پر مشتمل سفرنامے لیکر پڑھنے کا موقعہ ملا تو اپنا سفرنامہ یورپ شائع کرانے کا ارادہ کرلیا اور اسے قارئین کی نذر کررہاہوں۔ کہیئے کیسی رہی۔ شکریہ

شبنم قیوم

رائٹر، ہسٹارین جرنلسٹ

Cell:7006881430

email:editor.qaumiwaqar@gmail.com

سفر نامے کے تکنیکی لوازمات

پروفیسر ضیاالدین

انسانی زندگی کے ہمہ جہت اور بو قلموں پہلوؤں سے صحیح معنوں میں اگر روشناس ہونا مقصود ہو تو سفر اختیار کیجئے۔ حیات و کائنات کے سربستہ رازوں پر انسان اسی کے ذریعے کمند ڈالتا ہے جس سے انسانی سماج کی بقا کے راستے کھلتے ہیں انسان خود اپنی بقا کو اسی سے مستحکم کرتا ہے۔

چنانچہ انسانی زندگی کی ترقی کے لئے سفر کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہ سفر چاہئے دنیاوی ہو یا باطنی۔ جتنی سچ اور اہم بات یہ ہے اتنی ہی سچ اور اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ سفر کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے جہاں جسمانی طاقت سفر کے اخراجات اور ذمے داریوں سے فراغت کی ضرورت ہوتی ہے اتنی ہی مناسبت ماحول اور رسل ورسائل کی سہولیات بھی۔ سفر کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں اسی حقیقت نے سفر ناموں کی تحریر کے لئے جواز بلکہ قوی جواز فراہم کیا اور ان لوگوں کے لئے بھی ان تجربات میں شریک ہونے کے امکانات پیدا کر دئے جن میں بصورت دیگر وہ کسی طرح بھی نہ تو شریک ہو سکتے تھے نہ اس علم سے بہرہ ور جو باقاعدہ سفر کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح خط کو آدھی ملاقات قرار دیا جاتا ہے اسی طرح سفر نامے کے ذریعے کسی کے تجربات میں شریک ہونے کو آدھا سفر گردانا جاسکتا ہے۔ میرا خیال ہے سفر نامے کی اہمیت کا اس سے بہتر اور کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا۔

ایک زمانہ وہ تھا جب نہ تو سفر کرنا آسان تھا اور نہ سفر کی روداد کو دوسروں تک پہنچانا۔ آج جہاں ایک طرف رسل ورسائل کی سہولیات حاصل ہو گئی ہیں وہاں سفر کی روداد کو دوسروں تک پہنچانا بھی اشاعت وطباعت کی سہولیات کی وجہ سے آسان ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ سفر ناموں کی تحریر کی آج جس قدر افادیت ہے دو چار صدی پہلے ہر گز نہ تھی۔ شاید اسی وجہ سے اب سفر ناموں کی اشاعت کی رفتار بھی پہلے کے مقابلے میں بہت تیز ہو گئی ہے۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طباعت واشاعت کی جس قدر زیادہ سہولیتیں میسر آتی ہیں انسانی ذہن نئے نئے تجربے شروع کرتا ہے اور وہی عمل جو ابتدا میں سیدھا سادہ ہوتا ہے وہ پیچیدہ ہوتے ہوئے ایک آرٹ ایک فن کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ یہ اسی حقیقت کا مظہر ہے کہ سفر نامہ اب ادب میں ایک صنف کا درجہ حاصل کر گیا ہے۔ جس کے اپنے تکنیکی لوازمات ہیں جن کی پیروی کرنا ہر سفر نامہ نگار کے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ پیچیدگی کا یہ عالم ہے کہ آج سفر نامہ کہانی بھی ہے، ایک روداد بھی سوانح بھی اور ایک تاریخ بھی۔ جب تک سفر نامہ نگار ایک کہانی کار ہونے کے ساتھ ہی ساتھ سوانح نگار اور تاریخ نویس نہیں جب تک وہ ان اصناف کے فنی لوازمات سے آشنا ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ان کے امتیازات کو بھی نہیں سمجھتا وہ اچھا سفر نامہ نگار ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ

"سفر نامہ لکھنا تو آسان ہے اس کا حق ادا کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بہت کم سفر نامے ایسے ہیں جنہیں داد و تحسین حاصل ہو سکتی ہے۔ ایک بامعنی اور پُر لطف سفر نامہ تحریر کرنے کے لئے مولف میں بہت سی خصوصیات کا ہونا لازمی ہے۔ مثلاً جہاں اس کا خود ادیب و فن کار ہونا ضروری ہے وہیں اس کے پاس اس نظر کا ہونا بھی اہم ہے جو قدرت نے کسی مصور کو عطا کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا صرف ادیب ہی نہیں مصور ہونا بھی ضروری ہے۔

اسی طرح اس کے پاس تاریخی شعور اور عمرانی و ثقافتی نظر کا ہونا بھی ضروری ہے۔
وہ پھولوں پھلوں، پتوں کا پارکھ اور بدلتی ہوئی ہوا اُٹھتی ہوئی لہروں کا نباض ہوتا ہے۔ وہ قوموں کے دلوں کی دھڑکنیں جانتا ہے۔ ان کے محسوسات و مدرکات کو پہنچانتا ہے۔ ان کے افکار و خیالات و ایقان و اعتقادات کے لمس کو محسوس کرتا ہے۔ اس لئے جب وہ کسی خطے سے گزرتا ہے تو وہاں کی ہر ایک شے کی تصوریں اتارتا چلا جاتا ہے۔ ذہنی خصوصیات، ماحولیاتی عناصر تہذیبی و تمدنی آثار، دریاؤں ، وادیوں، جھرنوں کے نغمے آداب و اطوار، رنگ و نسل، دین دھرم لباس و خوراک پیداوار و مصنوعات افکار و خیالات، رسومات و تیقنات، توہمات و اساطیر وغیرہ سب کا ذکر کرتا جاتا ہے اور اس طرح وہ صرف سفر نامہ نہیں ایک تاریخی ثقافتی، عمرانیاتی، مذہبی نظریہ ماحولیاتی، موسمیاتی حیواناتی و نباتاتی تاریخ بھی مرتب کرتا ہے۔ انسانوں کے ایک مخصوص گروہ کے تشخص کو ابھارتا اور انہیں عالمی تاریخ کا حصہ بناتا ہے۔ اس کا تخلیق کردہ سفر نامہ ایک ادبی فن پارہ بھی ہوتا ہے ایک علمی و معلوماتی صحیفہ بھی، ایک تاریخی و عمرانیاتی دستاویز بھی اور ایک انسانی گروہ کے سیاسی سفر کی روداد بھی۔

فنی اعتبار سے ایک اچھا اور کامیاب سفر نامہ جن لوازمات کا تقاضا کرتا ہے انہیں یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

1۔ سیاح کے اپنے ہاتھ کی تحریر

حقیقی سفر نامہ اسی تحریر کو قرار دیا جاسکتا ہے جو سفر کرنے والے شخص کے اپنے ہاتھ کی تحریر ہو۔ کسی اور کے ہاتھ کا لکھا ہوا سفر نامہ چاہئے سفیر نے ہی محرر کو اپنے سامنے بٹھا کر اور خود بول کر

ان سے لکھوایا ہو سفر نامہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیو نکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مصنف جب خود اپنے ہاتھ میں قلم لے کر اس سے گفتگو کر تا ہے تو وہ اسے ایسے ایسے رازوں سے آشنا کر تا ہے جو کسی دوسرے انسان کے سامنے وہ زبانی طور پر بیان نہیں کر سکتا۔

کسی دوسرے شخص سے لکھوائے جانے والے سفر نامے کی اہمیت ایک اور وجہ سے بھی کم ہو جاتی ہے۔ سفر کے دوران بہت سے تجربات ایسے بھی حاصل ہوتے ہیں جو نتائج اخذ کرنے سے پہلے غور و خوض کا تقاضا کرتے ہیں۔ لکھواتے وقت وہ باتیں ذہن سے محور ہو جاتی ہیں یا پھر ان کی طرف گہرائی سے سوچنے کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے وہ اہم نکات محض چھونے کی حد تک بیان ہو پاتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے اہل دانش نے اچھی تحریر کے لئے تنہائی کو لازمی قرار دی اے۔ ورڈزورتھ نے تو اسے اچھی شاعت کی پہچان ہی قرار دے دیا ہے۔ وہ کہتا ہے

Poetry is the spontaneous overflow of powerful feeling recollected in tranquality

2۔ سفر نامے کی مختلف ہئیتیں

سفر نامے جن مختلف اصناف کے روپ میں لکھے گئے ہیں ان میں ڈائری، خط ، ٹیبل ٹاک، جرنل، رپورتاژ، یادداشت اور روزنامچہ قابل ذکر ہیں۔ یہ سبھی ہئیتیں اپنی اپنی جگہ منفرد ادبی اصناف کا درجہ بھی رکھتی ہیں کی وجہ سے ایسے سفر نامے مختلف ادبی اصناف کی اقدار کا مجموعہ بن گئے ہیں جن کو انہیں سمجھنے اور تجربہ کرتے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ہمیں ان اصناف میں لکھے گئے سفر ناموں کو سفر ناموں کے طور پر قبول کرنا ہو گا اور ان کی مخصوص ہیئت کے طور پر بھی۔ مثلاً ڈائری کی شکل میں لکھا گیا سفر نامہ وسیع معنوں میں سفر نامہ بھی ہو گا اور ڈائری بھی۔ اس کا تجزیہ کرتے وقت اسے سفر نامے کے طور پر بھی دیکھنا ہو گا اور ڈائری کے طور پر بھی۔ مجھے ان لوگوں سے قطعی اتفاق نہیں جو ان شکلوں میں لکھے سفر ناموح کو سفر نامے کی حدود سے قطعی خارج

قرار دیتے ہیں۔

3۔خوب سے خوب تر کی تلاش

سفر نامہ پڑھنے سے قاری کو نہ صرف زندگی کی بوقلمونی اور وسعت کا احساس ہونا چاہئے بلکہ اس کی معنوی جہتوں تک رسائی حاصل کرنے میں مدد بھی ملنی چاہئے۔زندگی محض سانس لینے کا نام نہیں نہ یہ محض روٹی کھانے اور پیٹ بھرنے کا نام ہے۔ آدمی جب سفر کرتا ہے تو وہ اپنے ساتھ اپنا کلچر، اپنا تمدن، اپنی روایتیں اپنے آداب و اطوار، اپنے احساسات و متدرکات اور افکار و نظریات بھی لے کر چلتا ہے۔نئے لوگوں سے ملتی اور نئی زمینوں سے گزرتے وقت اسے اپنے دنیاوی و دینوی وجود پر از سر نو نظر ڈالنے کا موقع ملتا ہے جو اس میں احساس تفاخر بھی پیدا کر سکتا ہے اور احساس ندامت بھی۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ سود مند ہی ہوتا ہے۔ خود کو بہتر یا خوب سے خوب تر تلاش بھی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ سفر نامہ خوب سے خوب تر کے اس سفر میں اگر قاری کی معاونت نہیں کرتا تو اسے تحریر کرنا بے سود ہے۔ دنیا اپنے سیاسی، علمی و ادبی اور معاشی و اقتصادی طور طریقوں میں جتنی بھی بہتری آج تک لا سکی ہے وہ قوموں کے اسی سفر کی وجہ سے ممکن ہوئی ہے۔ پہلے قومیں ایک دوسرے ملک تک جا کر جانا ان پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ہی ہوا ہو یہ کام کرتی تھیں۔ مثلاً انگریزوں یا دوسری یورپ اقوام کے ہندوستان پر غلبے سے ہمیں بہت سے نقصانات بھی اٹھانے پڑے پر بہت سے فائدے بھی حاصل ہوئے۔ بجلی ٹیلی فون، گراموفون ریل، کیمرہ وائرلیس اور بہت ساری دوسری سائنسی برکتوں سے ہم انہی کے زمانے میں متعارف ہوئے۔ جاگردارانہ اور سائنسی نظام سے جمہوریت تک کے سفر کا سلسلہ اسی زمانے میں شروع ہوا۔اب زمانہ گلابلائزیشن کا ہے۔ میڈیا نے دنیا کو ایک گاؤں میں بدل دیا ہے۔اب یہ سفر میڈیا کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلم اور اخبار کے ذریعے ہمیں چشم زدن میں ہر نئی تحقیق اور پیش رفت کا پتا چلتا ہے اور ہم اسی راہ کو اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہی کام سفرنامے کو بھی کرنا چاہئے۔

یہ ۹/ جون ۲۰۰۶ء کی بات ہے، میں اپنے ہفتہ وار اخبار 'قومی وقار' کے پریس کالونی ریگل چوک کے دفتر پر ایک آرٹیکل کی پروف ریڈنگ کر رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی میں نے ریسور اٹھایا، ہیلو بولا تو ایک نسوانی آواز آئی اور وہ بھی اُردو زبان مین "! "کیا آپ شبنم قیوم ہیں۔

"میں نے ہاں بولا تو اُن کی طرف سے پوچھا گیا۔ "کیا آپ یورپ آنا چاہیں گے ؟"

"کیوں، کس لئے، کیا کرنے ؟" میں اُن سے مخاطب ہوا؟"

" آپ صرف ہاں یانا میں جواب دیں۔ سوال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

"میں نے "ہاں" کہدی بات آئی اور گئی اُس نے ریسور رکھدیا اور میں سوچنے لگا۔ یہ یورپ سے جوبلاوا آیا کیوں اور کیسے آیا۔ وجہ کیا بنی۔۔۔؟

مجھے اچانک ہفتہ بھر قبل کا وہ واقعہ یاد آیا، جب میری ایک اخباری خبر پر مقامی لبریشن فرنٹ اور عوامی ایکشن کمیٹی کے کرتا دھرتاؤں نے ایک روز شام کے وقت میرے گھر پر دھاوا بولا۔ اگلے روز میں نے اُن کے خلاف احدوز ہوٹل میں پریس بریفنگ کا انعقاد عمل میں لایا۔

اس روز اس پریس بریفنگ میں مقامی، ملکی اور بین الاقوامی سطح کے پریس رپورٹر اور اُن کے کیمرا مین حاضر ہوئے۔ پریس بریفنگ کے لئے تمام سیٹنگ مکمل ہوئے کیمرے فٹ ہوئے اور پیپر پڑھنے کے لئے کھولا گیا۔ ابھی چند سطور پڑھی گئیں کہ اچانک حملہ ہوا، مائیک چھین لی گئی، کیمرے گرادئے گئے، فرنیچر توڑا گیا، ایک ہنگامہ کھڑا ہوا، توڑ پھوڑ کی کارروائی ہوئی، تھانہ کوٹھی باغ سے پولیس آئی، اس نے بیچ بچاؤ کیا۔ بلوائیوں کے ساتھ مجھے بھی تھانے پر لا کر میرا بیان قلمبند کیا گیا۔ مجھے سیکورٹی دینے کی آفر ہوئی۔ میں نے نامنظور کی۔ مجھے واپس دفتر پر بھیجا گیا۔ البتہ پکڑے گئے بلوائیوں کو حوالات میں بند کیا گیا۔

اگلے روز مقامی اور ملکی پریس میں اس ساری کارروائی کی تصویروں کے ساتھ خبریں شائع ہوئیں۔ چند روز کے بعد پتہ چلا یہ خبریں امر، یکطانیہ اور یورپ کے بعض اخبارات

میں شائع ہوئی ہیں۔ واشنگٹن پوسٹ امریکہ اور ڈیلی میل لندن سے شائع ہونے والے خبروں کے اطلاع ہمیں نیٹ کے ذریعے موصول ہوئیں۔ واشنگٹن پوسٹ کی خبروں میں اس حملے کے ساتھ یہ بھی تحریر درج تھی کہ میر واعظ عمر فاروق جو امریکہ کے دورے پر وہاں موجود تھے اُن سے اس حملے میں عوامی ایکشن کمیٹی کے ملوث ہونے کے بارے میں پوچھ تاچھ ہوئی تو ان کا جواب تھا، میں کشمیر سے اپنے ذرائع سے حالات معلوم کر کے بتا سکتا ہوں۔

کئی روز تک جرنلزم پر حملہ کا چرچا آہستہ آہستہ معاملہ ٹھنڈا ہو گیا۔ آج جبکہ مجھے یورپ آنے کا دعوت نامہ 'فون پر تھا' ں نے از خود اُس کو جرنلزم پر حملے کے ساتھ جوڑ دیا۔ ۱۵ جون کے روز مجھے میرے ای میل پر بلجیم کے وزارت خارجہ سے ایک خط ملا میرے یورپ کے دورے سے متعلق تفصیلی خط تھا۔ اس میں بتایا گیا آپ کے ۲۵ لئے جون سے دس روز کے لئے ہوٹل Radession میں بکنگ ہو چکی ہے۔ ۲۵/ جون کے روز بلجیم کے ائیرپورٹ پر آپ کا استقبال ہو گا۔ آپ دس روز تک سرکاری مہمان تصور ہوں گے۔

اس خط پر وزارت خارجہ کی مہر چسپاں تھی اور دستخط کے ساتھ جو نام درج تھا وہ Gary Taitily کے نام سے درج تھا۔ میں نے اس خط کا پرنٹ اوٹ نکلوا کر ابھی سے یورپ جانے کی تیاری شروع کی۔

کوئی دو دنوں کے بعد مجھے پاکستان سے ایشیاء واچ کے ڈائریکٹر عبد الطیف بٹ کا فون ملا، انہوں نے فون پر بتایا، مجھے برسلز کے کشمیر سنٹر ۲۵ لئے/ جون کے روز یورپ آنے کی دعوت ملی ہے۔ اس میں آپ کا بھی ذکر ہے۔ کیا آپ یورپ جائیں گے؟

"ہاں! میں اس کی تیاری کر رہا ہوں" میرے اس اقرار پر عبد الطیف نے بتایا۔ اپنے لگیج میں گرم کپڑے اور سویٹر بھی رکھو کیونکہ یہاں جو آج کل جون کی گرمی ہے ویسی وہاں نہیں ہے۔ میں نے اس انفارمیشن پر ان کا شکریہ ادا کیا اور فون پر آپس میں لیزان جاری رکھنے کو کہدیا۔ ایشیاء واچ نیوز چینل کے عبد الطیف بٹ کشمیری ہیں البتہ پاکستان جا کر وہیں بس گئے ہیں۔ وہیں سے مقامی ملکی اور عدالمی خبریں وائیر کراتے ہیں۔ میرا اُن کے ساتھ دیرینہ لیزان

ہے۔ میں ایک ہفتہ قبل پاسپورٹ پر یورپ کا ویزا لگوانے کے لئے دہلی روانہ ہوا۔ دہلی پہنچ کر میں سب سے پہلے ٹراول ایجنسی کے ہاں گیا۔ اس کا اتہ پتہ میں نے سرینگر سے ہی حاصل کر لیا تھا۔ مہیش کول نامی یہ کشمیری پنڈت دہلی میں منتقل ہو کر اب ٹراول ایجنسی چلا رہا ہے۔ کشمیریوں کے ساتھ بڑے حلیم سے پیش آتا ہے۔ نیک مشورہ بھی دیتا ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا دہلی میں بلجیم کی ایمبیسی پر جا کر ویزا حاصل، البتہ وہاں آپ کو نہایت ہی ارلی صبح جانا پڑے گا اور لائین میں رہنا پڑے گا۔ وہاں سے ویزا حاصل کرنے کے بعد آپ کا ائیر ٹکٹ بک ہو گا۔ جب تک ویزا نہیں لگے گا تب تک ٹکٹ بک نہیں ہو سکتی۔ اُن کا مشورہ حاصل کر کے میں اولڈ دہلی میں جامع مسجد کے مینا محل آیا یہاں پر ہوٹل میں چند روز تک قیام کے لئے کمرہ لے لیا۔

اگلے روز صبح سویرے میں آٹو لیکر بلجیم کی ایمبیسی کے لئے روانہ ہوا۔ کوئی ایک گھنٹے تک کا سفر مکمل کر کے میں آٹو سے اُتر کر پہلی فرصت میں لائین میں آ گیا بریف کیس پاسپورٹ اور وزارت خارجہ کا خط اس میں رکھا۔

لائین میں میرا کوئی ۲۱رواں نمبر تھا۔ صبح کے نو بجے کونٹر کھل گیا اور ویزا دینے کی کارروائی شروع ہوئی کوئی ۱۲ بجے تک ویزا دینے یا نا دینے کی کارروائی جاری رہی تو یہ کونٹر بند کیا گیا۔ باقی سارے لوگ جو لائین میں کھڑے تھے ہاتھ ملتے رہ گئے۔ ان میں ایک میں بھی تھا۔ معلومات سے پتہ چلا یہ ایمبسی ہر روز صرف پندرہ ویزا فراہم کرتی ہے۔ لہذا جو لائین ایک سے پندرہ تک ہوں گے وہ ویزاے سے مستفید ہوں گے۔ باقی اسی طرح ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ بہرحال میں ناامید ہو کر واپس آیا اور یہ فیصلہ کر لیا کل سویرے چار بجے ہوٹل سے نکلوں گا۔ اس کے لئے ہوٹل کے منیجر سے بات ہوئی انہوں نے فون پر آٹو ڈرائیور بلالایا اور انہیں ہدایت دی صبح سویرے چار بجے اس کو بلجیم کی ایمبسی تک لے جانا اس نے ڈبل ری چارج کی مانگ کی، میں نے قبول کر لی۔

وہ سویرے وقت مقرر پر آیا میں اس وقت منہ ہاتھ دھو کر تیار بیٹھا تھا۔ پانچ بجے کے قریب میں بلجیم کی ایمبسی کے پاس پہنچا تو یہاں لائین لگی تھی۔ میں نے گن کے دیکھا میرا

رواں نمبر تھا۔ ناامیدی چھا گئی پھر بھی لائین میں رہا۔ میں نے اپنے سامنے والے شخص سے پوچھا۔ یہ لوگ اتنے سویرے یہاں کیسے پہنچ جاتے ہیں جبکہ ان کے پاس کسی کسی کی اپنی گاڑی ہے۔ انہوں نے بتایا یہ لوگ رات ہوتے ہی یہاں آتے ہیں اور پوری رات جاگ کر یہیں گزارتے ہیں۔ پھر کہیں جا کر ان کو ویزا ملتا ہے۔

چنانچہ اس روز بھی جب پندرہ ویزا اجرا کرانے کے بعد کونٹر بند ہوا تو میں ایک جانب ہو کر سوچنے لگا۔ اب کیا کیا جائے اور کس طرح ویزا حاصل کیا جائے۔ نامراد ہو کر واپس آیا۔

البتہ اسی روز شام دس بجے ڈنر کھا کر میں آٹو لیکر ایمبیسی روانہ ہو گیا۔ رات کو یہاں پہنچا تو لائین لگی تھی البتہ لائین میں صرف پانچ آدمی کھڑے تھے۔ چھٹا میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد وقفے وقفے سے یورپ جانے والے آ گئے اور وقت گزرنے کے ساتھ لائین لمبی ہوتی گئی۔ جب دس آدمی لائین میں آچکے تو ہم نے مشورہ کیا کہ ہم یہاں پر رات بھر کھڑے رہنے کے بجائے ایک کاغذ پر سیریل نمبر کے ساتھ نام لکھدیں۔ یہی لسٹ صبح نو بجے پندرہ ناموں کے ساتھ پیش کریں گے۔ یہ مشورہ مان کر ایسا ہی ہوا۔ نام درج ہونے کے بعد ہم ایمبیسی کے سامنے پارک میں بیٹھ کر آپس میں گپ شپ میں رات گزارتے رہے جو حاضرین لسٹ میں شامل نہ رہ سکے۔ وہ امیدی اور ناامیدی کے دور سے گزر کر وقت گزاری کرتے رہے۔ صبح سویرے ایمبیسی کے عقب میں ایک سائیڈ میں کوارٹر میں ہمیں واش روم کی سہولیات فراہم کی گئی۔ ہم منہ ہاتھ دھو کر ایک طرح سے تازہ دم ہو گئے۔ نو بجنے سے پہلے پہلے ہم لسٹ کے مطابق لائین میں کھڑے ہو گئے۔ کونٹر کھلتے ہی گویا جان میں جان آ گئی۔ کونٹر پر ایک ہندوستانی نژاد خاتون پاسپورٹ اور کاغذات لیکر ایک ایک کر کے سوالات کر رہی ہے۔

" کہاں جانا ہے۔ کیوں جانا ہے۔ وہاں کون ہے۔ فینانس کون کرے گا۔ کرنسی کتنی ساتھ ہے۔ اس قسم کے سوالات کے بعد کسی کو اندر بلایا گیا۔ کسی کو ویزا لگائے بغیر پاسپورٹ اور کاغذات واپس کئے گئے۔

جب میری باری آئی تو پاسپورٹ اور لیٹر لیکر جب اس لٹر پر وزارت خارجہ کی مہر دیکھی

گئی، نہ سوال کیا گیا۔ نہ فیس طلب کی گئی نہ ہی انگوٹھے کے ساتھ پانچوں انگلیوں کے چھاپ لئے گئے۔ ویزا درج کر کے پاسپورٹ حوالہ کیا گیا۔ سچ پوچھو تو مجھے یقین ہی نہ آیا۔ تین روز کے بعد میں فتحیاب ہوا۔ پاسپورٹ اور بریف کیس میں بند کر کے میں آٹو میں سوار ہو کر سیدھا مہیش کول کی ٹراول ایجنسی پر آگیا۔ تھوڑی دیر تک مہیش کا انتظار کیا۔ اُن کو فون پر میرے آنے کی اطلاع دی گئی۔ اُن کی طرف سے مجھے انتظار کرنے کو کہا گیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو پاسپورٹ اور ویزا کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے ایک البم میں جہاز دکھایا گیا۔ جرمن کے اس جہاز کا نام Lathonia دکھا کر کہا گیا اسی جہاز میں 24 جون کے لئے ٹکٹ بک ہو گی۔ جب تک ٹکٹ کا مرحلہ طے ہوا مجھے چائے پلائی گئی۔ بسکٹ کھلائے گئے۔ مہیش کول نے بتایا اسی جہاز میں آپ کی واپسی بھی ہو گی۔ ہم سے انڈین کرنسی میں چارج لئے گئے۔ میں ایک طرح سے مکمل طور مطمئن ہو کر ہوٹل آیا البتہ راستے ہی میں پہلے لنچ کیا۔ اس وقت دن کے کوئی اڑھائی بجے تھے۔ ۲۴ مئی صبح نو بجے جرمنی کے لئے میری فلائٹ کنفرم تھی۔ میں دہلی سے انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی طرف صبح سات بجے ناشتہ کر کے نکل پڑا۔

ایئرپورٹ پہنچ کر ایک اٹیچی اور بیگ کی سکریننگ ہوئی کونٹر پر جامہ تلاشی کے بعد اندر ویٹنگ ہال میں جانے کی اجازت مل گئی۔ یہاں جرمنی ایئرلائنس پر بورڈنگ کے لئے لائین لگی تھی۔ میں لائین میں آ گیا۔ اپنی باری پر بورڈنگ ٹیگ لگا کر سامان اندر گیا۔ بریف کیس میں نے ہاتھ میں رکھا اس پر الگ سے ٹیگ لگایا گیا۔ ٹیگ پر یورپ یونین کا لوگو چسپاں تھا۔ پورے وقت پر جہاز پر سوار ہونے کے لئے گیٹ کھل گیا۔ ہم تھوڑی دوری تک پیدل چل کر جہاز کی راہداری میں داخل ہوئے ایسا لگا ہم مغل دربار میں داخل ہو رہے ہیں۔ لیتھونیا نامی یہ جہاز یقیناً مغل اعظم کے دربار سے کچھ کم نہ تھا۔ البتہ میں نے اس کا موازنہ سعودی ایئرلائنز کے انٹرنیشنل جہاز کے ساتھ کیا۔ لیتھونیا کے مقابلے میں سعودی ایئرلائنس کا جہاز قدرے بہتر ہے۔ فرق اتنا ہے کہ جرمنی کی ایئرہوسٹس گھٹنے کے نیچے تک پیلو رنگ کی سکٹ پہنچی ہیں اور قمیض ان کی سفید ہے جبکہ سعودی ایئرلینس کی ایئرہوسٹس رانوں تک سکٹ

پہنچی ہیں اور کھلی بانہوں کے ساتھ گھومتی رہتی ہیں۔ سعودی عرب کے جہازوں کی یہ تتلیاں رانوں اور بانہوں کی نمائش کے ساتھ دیگر مشروعات کے ساتھ مسافروں کو شراب بھی فراہم کرتی ہیں۔

جرمنی کی ائیر ہوسٹس نے رانوں اور بانہوں کی نمائش کئے بنا ساتھ چلی اپنی سیٹ پر بٹھا دیا۔ میری یہ سیٹ کھڑکی کے پاس تھی۔ یہاں سے باہر کی دنیا کا نظارہ دیکھا جا سکتا۔

جہاز پورا بھر گیا اور وقت مقرر پر سٹارٹ ہو کر راہداری لی اور پھر تیز رفتاری سے اڑان بھرلی۔ جہاز کے ہر سیٹ کے بیک حصے میں ٹیلی فلم دیکھنے کا سکرین لگا ہے۔ آپ کون سے ملک کی کونسل چینل سے کیا دیکھنا چاہیں گے۔ وہ چاہت آپ بٹن دبا کر حاصل کر سکتے ہیں۔ البتہ میں نے چینل کھولنے کے بجائے اپنی نگاہیں شیشے پر مرکوز کیں جہاں سے میں باہر کی دنیا کا نظاہرہ تب تک کرتا رہا جب تک جہاز تین ہزار میٹر کی بلندی پر جا کر اب صرف آسمان پر چھائے ابر کے ٹکڑے دکھانے لگا۔

جرمنی پہنچنے پر ہمیں یہاں کے موسم اور وقت کے بارے میں جانکاری دی گئی۔ ہندوستانی وقت کے مطابق ہم یہاں پر آکر تین گھنٹوں سے بھی زیادہ پیچھے چلے گئے ہیں۔ جہاز نے جہاں پر لینڈ نگ کی وہاں ہمیں ایک مخملی کاریڈروں سے ،گزرہمیں لاڈا ایک خوبصورت ہال میں لا کر بیں منٹ تک بٹھایا گیا۔ صرف اُن مسافروں کو جنہیں جرمنی کے بجائے کہیں اور جانا مطلوب تھا بیں منٹ تک ایک جگہ بیٹھے رہنے کے بجائے میں نے ائیر پورٹ کا معائینہ کرانے کا فیصلہ کیا۔ میں بریف کیس ہاتھ میں لیکر ہال کے گیٹ سے باہر آیا۔ یہاں Exit کو دیکھا دائیں اور بائیں دو چائے اور سنڈوچ کی دکانوں کا نام اور سامنے اُس پر سیدھ میں شاپنگ کمپلیکس کا حلیہ نوٹ بک پر نوٹ کر کے پیدل ہی چلتے چلتا اندازہ کرلیا ہم تیسری منزل میں ہیں اور ہمارے نیچے پوری دو منزلیں ہیں۔ ان پر چار ٹائیر والی اُوپن گاڑیاں مسافروں کو لیکر آون جاون میں مصروف ہیں۔ میں پیدل ہی یہ چلی بائیں جانب دکانوں کے قطاریں لگی ہیں۔ قیمتی سامان سے لیس یہ خوبصورت اور دلکش مناظر پیش کر رہے

ہیں۔ لگ بھگ ہر دکان پر کوئی نہ کوئی گاہک ہے۔اس سے اندازہ ہوا بکری خوب ہو رہی ہے۔ جدھر دیکھا دیواروں پر آرٹ کے نمونے لگے ہیں۔ان میں جرمنی کا کلچر ثقافت، ان کی تہذیب اور تمدن کی نشاندہی ہو رہی ہے پرانی اور قدیم عمارتیں اہم مقامات، قلعے اور اونچی نیچی قدیم طرز کی عمارات کا عکس واضح کر رہی ہیں۔ دوسری منزل میں آکر ایک آرٹ گیلری کو دیکھنے کا موقع ملا جس جنگ جرمنی کے آثار اجاگر کئے گئے ہیں جنگ میں کام آنے والا جنگی سامان سپاہیوں کی وردیاں اور ان کے جنگی ہیلمنٹ نمائش کے لئے رکھے گئے ہیں۔

چلتے چلتے میں نچلی منزل تک آیا تینوں منزلوں میں سجے سجائے دکانوں اور کاروباری اداروں کے ساتھ قدیم وجدید جرمن کو دیکھ کر اندازہ کرلیا جرمنیوں نے عالمی سطح کے مسافروں کو جرمن دکھانے کا ائیرپورٹ پر ایک تاثر دیا ہے کہ یہاں پورے تین منزل میں قدیم اور جدید جرمن کو دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے۔

مجھے ذاتی طور پر جرمن کے اس ائیرپورٹ نے متاثر ضرور کیا البتہ مجھے اس بات کا اعتراف کرنا پڑ رہا ہے۔پوری دنیا میں اگر کوئی نمونے کا ائیرپورٹ ہے اور جس کا یقیناً اور کوئی ثانی نہیں ہے وہ دوبئی کا ائیرپورٹ ہے ویسے بھی دیکھا جائے تو متحدہ ارب عمارت دنیا میں واحد ایک نمونہ ہے البتہ اس میں قدیمی کے بجائے جدیت نمایاں ہے۔ دوبئی کا ائیرپورٹ بھی کئی منزلوں پر مشتمل ہے البتہ اس کی خوبصورتی اور دیدہ زیبی اپنی ایک مثال ہے۔یہاں اس ائیرپورٹ پر دکانیں ہیں شاپنگ کمپلیکس ہیں۔ خاص طور پر سونے کی جو دکانیں ہیں ان میں سونے اور لعل جواہرات کی جو خوبصورت دکانیں ہیں۔ بجلی کی جو چکا چوند ہیں۔ دیدہ زیب اور قیمتی اشیاء مانوس ہیں۔اتنے کہیں اور دیکھنے میں نہیں آتے۔ متحدہ عرب امارات کا شہر دبئی اور پھر اس کا ائیرپورٹ یقیناً دیکھنے اور محسوس کرنے کی شئے ہے۔

جرمنی کے اس ائیرپورٹ پر میں واپس تیسری منزل پر اوپن کار میں آیا۔ ویٹنگ ہال میں اپنی نشست پر آکر انتظار کرنے لگا۔اب چند منٹوں کی دیری تھی۔ وقت مقرر پر ہم کو چار چار فرد

کے حساب سے اوپن گاڑی میں بیٹھا کر وہاں تک لایا گیا جہاں پر بلجیم جانے والا جہاز کھڑا ہے۔ یہ جہاز ڈومیسٹک جہاز ہے یہاں پر خالی سیٹوں پر بٹھا جاتا ہے۔ اس جہاز نے دس منٹ تاخیر سے اڑان بھر لی کوئی آدھ گھنٹے میں اس نے بلجیم تک اپنا پہلا سفر مکمل کر لیا۔ بلجیم کی سواریاں اترنے کے بعد اس میں برسلز کی کوئی بیس سواریاں سوار ہوئیں اور کوئی آدھ گھنٹہ قیام کے بعد یہ برسلز کے لئے روانہ ہو گیا۔ یاد رہے بلجیم میں ہمارا قیام رجہاز میں ہی رہا۔ لہٰذا باہر جانے اور ائیر پورٹ دیکھنے کی نوبت نہ آئی۔

جرمنی سے بلجیم تک جتنا وقت ہمارے سفر میں لگا۔ اتنا ہی وقت بلجیم سے برسلز تک لگ سکا۔

ایک کے بعد تین جہازوں میں سفر کے دوران بالآخر ہم برسلز پہنچ گئے۔ یہاں ہم سبھی سواریاں پیدل چل کر اُس مقام تک آئے جہاں سے ہمیں اپنا اپنا لگیج حاصل کرنا ہے۔ الیکٹرانک ٹرالی اس وقت گھوم رہی ہے اور مسافر اس پر سے اپنا اپنا لگیج اٹھا رہا ہے۔ پہلے مرا بیگ آیا اور اس کے بعد اٹیچی آئی میں نے دونوں نگ اٹھا کر سائیڈ پر رکھدئے اور سوچنے لگا۔ ان کو ٹرالی میں لیکر باہر نکالا جائےایک انگریز سوٹ بوٹ پہنے اور ریڈ رنگ کی ٹائی لگائے میرے پاس آیا اور لگیج اٹھانے اور باہر تک لے جانے کی آفرکی۔ زندگی میں میرے سامنے ایک انگریز قلی بنکر میرا سامان اٹھانے کی استدعا کر رہا ہے۔ اس کو میں نے غنیمت جان کر اشارے سے سامان اٹھانے کی اجازت دی۔ بالکل نہیں پوچھا تم سامان باہر تک لے جانے کا کتنا لوگے۔ چونکہ انگریز تھا اور قلی میں نے معاوضہ چکانا خلاف شان سمجھا اور اس کے ساتھ اگزٹ سے باہر آیا، اس نے باہر ایک سائیڈ میں دونوں نگ رکھدئے میں نے دو یورو ڈالر اسے دئے اس نے کوئی چوں چرا نہیں غالباً اتنی رقم کچھ کم نہ تھی۔ اب سوال پیدا ہوا کہ میں کس سے ٹیکسی کے بارے میں پوچھوں۔ کافی لوگ جمع تھے کسی کسی کے ہاتھ میں ناموں کی ہاتھ سے لکھی گئی پلیٹیں تھیں۔ میں نے دیکھا ایک پلیٹ پر کاغذ کا ورق چسپاں تھا۔ اس پر میرا نام اُردو اور انگریزی میں لکھا تھا۔ میں آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کے پاس گیا

اور اپنا نام شبنم قیوم بتایا۔انہوں نے مجھے ایک ایک کر کے گلے لگایا۔ یہ دو آدمی تھے وہ گاڑی لیکر مجھے لینے آئے تھے۔ ایک کشمیری تھا دوسرا پاکستانی انہوں نے میرا سامان کار کی ڈکی میں رکھا اور مجھے فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر فون پر کسی کو اطاع کر دی کہ ہم نے شبنم قیوم کو پالیا اور اسے اپنی گاڑی میں بٹھا بھی دیا۔ان کو فون پر اطلاع دی گئی۔ مہمان کو کہاں لانا ہے اور وہاں کس ہوٹل میں ٹھہرانا ہے۔ یہ اطلاع پا کر گاڑی ائیر پورٹ کے احاطے سے نکال کر ایک سڑک پر دوڑائی گئی۔ گاڑی چلانے والے نے اپنا نام شاہجہاں میر، بتایا اور اپنے ساتھی کا نام اسلم چودھری بتایا۔فون پر انہیں مجھے لانے کی جو اطلاع ملی کے کہنے اور سننے میں فرق پڑا ہے۔ کیونکہ ہم ایک سڑک سے نکل کر دوسری سڑک پر آتے ہیں۔اس مقام کا کہیں نیب و نشان نہیں۔

ہم آپ کو بتا تا چلیں یورپی یونین کی خارجہ امور کی طرف ۲۵ جون سے دس روز کے لئے پارلیمنٹ کے پاس فائیو سٹار ہوٹل Radission میں میری بکنگ ہوئی تھی مجھے ۲۵ جون کو برسلز ائیر پورٹ پر پہنچنا تھا یہاں سے مجھے یورپی یونین کی خارجہ امور ویلکم کر سکتی۔ چونکہ میں ایک روز قبل پہنچا اور دہلی سے میں نے اطلاع فراہم کر دی تھی ۲۵ کے بجائے ۲۴ کو برسلز آرہا ہوں۔ان کے لئے یہ ایک مسئلہ کھڑا ہو تھا۔ چنانچہ خارجہ امور نے مہمان کو کشمیری جان کران کے لئے عارضی قیام کے لئے برسلز میں کشمیر سنٹر کے ایگزیکٹو ڈائریکر بیرسٹر عبدالمجید ترمبو سے رابطہ کیا۔اور انہیں ایک رات کے لئے کسی ہوٹل میں ٹھہرانے کے لئے بندوبست کا عندیہ دیا تھا۔ لہٰذا ۲۴ جون کے روز جنہوں نے مجھے ویلکم کیا میرے لئے ایک عارضی مسکن تھا۔ چنانچہ بیرسٹر عبدالمجید ترمبو نے اپنے کشمیر سنٹر کے دو عہدیداروں کو میرے لئے برسلز کے ائیر پورٹ پر بھیج دیا تھا۔ یہ ساری جانکاری مجھے شاہجہاں میر سے ملی شاہجہان میر مجھے Deddle شہر میں لے جا کر وہاں کے ایک تھری سٹار ہوٹل میں ایک رات کے لئے قیام کرا رہے ہیں۔ البتہ کہنے سننے میں فرق پڑنے سے ایک گھنٹے کا سفر اڑھائی گھنٹے میں بھی پورا نہ ہو سکا۔اس سے مجھے ذاتی طور پر یہ فائدہ ملا کہ مجھے برسلز میں داخل ہونے سے لیکر اب تک

ایک کے بعد ایک کئی شہر دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یورپ کے پہلے دورے کے دوران جب میں یورپ کی سڑکوں پر دوڑ رہا ہوں۔ ظاہر ہے میں آگے پیچھے دائیں بائیں اسے دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں۔ بازار بلڈ نگیں پار کیں سڑکیں آون جاون دیکھ رہا ہوں۔ ساتھ ساتھ گردو پیش کا بھی جائزہ لے رہا ہوں۔ شاہجہان فون پر کسی سے راستے کے بارے میں پوچھ رہا ہے اور ہدایت پا کر ایک کے بعد دوسرے راستے پر چلا جا رہا ہے۔ مجھے نت نیا دیکھنے کو مل رہا ہے۔

کوئی سوا دو گھنٹے تک مختلف شہروں اور علاقوں سے گزرتے گزرتے بالآخر اپنے مقام پر پہنچکر اُس ہوٹل Haristote کو پالیا۔ یہاں پہلے ہی کمرہ بک ہو چکا ہے۔ میں نے کونٹر پر آ کر حاضری لگا دی میری اٹیچی اور بیک لیکر مجھے لفٹ کے ذریعے دوسری منزل تک پہنچا کر کمرہ کھول دیا گیا۔ شاہجان اور اُن کے ساتھی نے ہم سے رخصت ہونے کا عندیہ دیا اسی دوران ایک شخص کمرہ کے اندر داخل ہوا۔ انہوں نے میرے ساتھ شیک ہینڈ کیا اپنا تعارف چودھری خالد محمود جوشی بتا کر مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔

" کہاں اور کدھر۔۔۔؟ یہ پوچھے بنا میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ انہوں نے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر کوئی ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلے پر برسلز میں کشمیر سنٹر پر پہنچا دیا۔ یہاں کشمیر سنٹر کے ایگزیکٹوڈائریکٹر بیرسٹر عبدالمجید ترمبو کے ساتھ میرا اور اُن کے ایک دوسرے سے گلے ملانے کا اہتمام ہوا۔ مسٹر عبدالمجید ترمبو نے بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کیا اور اس کے بعد کمرے میں موجود دیگر افراد سے میرا ان کے ساتھ شیک ہینڈ کر کے تعارف کرایا گیا۔ کشمیر سنٹر کے پرزیڈنٹ علی رضا سید وائس پرزیڈنٹ راجہ ظہیر احمد لائس پرزیڈنٹ سکندر چودھری پرویز اقبال، جنرل سکریٹری محمود خلیل میڈیا سکریٹری شاہد فاروقی فائنسانس سکریٹری چودھری ظفر احمد ایک مہمان عبدالطیف بٹ۔ کشمیر سنٹر کے عہدیداروں سے میرا تعارف کرانے کے بعد ہم سے کشمیر کے موجودہ حالات پر جانکاری حاصل کر لی گئی۔ ہم سب کا آپس میں تبادلہ خیالات کا ایک دور چلا یہیں پر ہم سب نے لنچ کیا۔ غالباً میری آمد

پر کشمیر سنٹر پر میرے لئے لنچ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ چونکہ ہم لگ بھگ اڑھائی گھنٹے لیٹ پہنچے لہٰذا دیر سے ہی ہم سب نے ایک ساتھ لنچ کیا۔ لنچ میں ایک دو ایسے سالن شامل تھے جن کو نہ صرف پہلی بار دیکھا بلکہ پہلی بار چکھا۔ لنچ کے بعد مجھے چودھری پرویز اقبال کے سپرد کیا گیا۔ انہیں شبنم قیوم کو برسلز شہر میں گھمانے اور پھر واپسی پر ہوٹل میں داخل کرانے کی ہدات دی گئی۔

چودھری پرویز اقبال نے مجھے اپنے ساتھ کشمیر سنٹر کے گیٹ تک لایا۔ یہاں کھڑے ہو کر انہوں نے ہاتھ میں لئے چابی کا گچھ کا بٹن دبایا۔ کوئی سو میٹر کی دوری پر برلب سڑک ان کی کار کی نہ صرف لائیٹیں روشن ہوئیں بلکہ ایک آواز نکالی۔ یعنی میں حاضر ہوں۔ ایسا میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا۔

ہم قدم ملا کر کار تک آئے اور کار میں سوار ہو کر یہاں سے روانہ ہو گئے۔ میں نے یہاں یورپ کی کارون میں سٹیر نگ لیفٹ سائیڈ میں مجھےچودھری صاحب نے فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر اُن سڑکوں کے نام بتائے جن سے ہم گزرےیہاں کی بعض اہم اور تاریخی عمارتوں کے بارے میں بتایا جو ہماری نظروں سے گزریں پار کیوں کے نام اور کام کے بارے کام کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ یورپ کی بھول بھلیاں مجھے دکھائی گئیں۔ میں بڑا محظوظ ہوا میں گردو پیش کو دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ مختلف الگ شہر حول زندگی کی ایک دوڑ دھوپ الگ کلچر الگ زبان، الگ سوچ الگ اپروچ کل ملا کر ایک الگ ملک اس کو کھل کر دیکھنے اور پرکھنے کا جو موقعہ میسر ہوا اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا اور میں سوچنے لگا ایک روز قبل آنا بظاہر ایک خطا ہے۔ البتہ میرے لئے یہ خطا ایک طرح سے سونے پر سہاگہ ہوئی ایک رات کے لئے مفت رہائش کھانا پینا اور پھر گھومنے کا موقعہ میسر ہوا۔ اسی کو عرف عام میں قدرت کی کاریگری کہا جائے گا۔

شام دیر گئے چودھری صاحب نے ایک جگہ کار پارک کی اور انہوں نے مجھے ڈنر کے لئے ایک مصری ریسٹورنٹ میں لیا۔ یہاں پر گاہکوں کا کافی رش تھا۔ ہم کو اندر لیجا کر ایک ٹیبل فراہم کیا

گیااور کھانے کاارڈر حاصل کرلیا گیا۔اتنی دیر تک چودھری صاحب نے باربار مجھ سے دریافت کیا، میں کھانے میں کیاپسند کروں گا۔میں نے انہیں یقین دلایامیری خاص کوئی چوئیس نہیں آپ نے جو منگوایااسی کو بخوشی سے تناول کریں گے۔ کچھ دیر بعد ہمارے ٹیبل پر اتنا کھانااور قسم قسم کے سالن سجائے گئے میں پوچھے بنا نہیں رہ سکا۔اتناسارا کون کھائے گا۔ہم توصرف دو ہیں۔انہوں نے خندہ پیشانی سے کہا۔آپ جو کھاناچاہیں گے اور جو کھاسکیں گے بعد کھانے کے دیکھاجائے گااس کا کیا کرنا ہے۔

پلاؤ چکن، قورمہ، یخنی اور نہ جانے کیا کیا ٹیبل پر سجایا گیا۔میٹھے چاول اور نان سائیڈ میں پڑے ہیں۔چند ایک ایسے سالن تھے جو نہ پہلے دیکھے اور نہ ہی چکھے۔ہم دونوں کو جتنا کھاناتھااتناسیر ہو کر کھالیاباقی چودھری صاحب نے پیک کروایا۔انہوں نے ڈیڑھ سویورو ڈالربل میں اداکئے۔

ڈنر کے بعد ہم سیدھے ہوتل کے طرف روانہ ہوئے۔چودھری صاحب نے مجھے ہوتل کے کونٹر تک ساتھ دیا۔میں چابی لیکر لفٹ کے ذریعے اوپر آیا۔ کمرے میں آکراندر سے دروازہ بند کرکے میں اس کمرے کاجائزہ لینے لگا۔فرش سے لیکر عرش تک دیواروں سے لیکر فرنیچر تک ایک ایک کرکے ان کامعائینہ کرنے لگا۔رنگین اور دیدہ زیب دیواروں پہ یورپی تہذیب کی پینٹنگ کے علاوہ یہاں ایک چھوٹے قد کافریج بھی ایک سائیڈ میں اس رکھا کو کھول کر دیکھا قسم قسم کے میوے ان میوں کے الگ الگ بوتلوں میں جو شراب کی بوتلیں قسم قسم کی جلی اور مٹھائیاں الگ الگ کھانوں میں رکھی گئی ہیں۔

چونکہ ڈنر میں میراپیٹ بھراتھا۔میں نے سوڈاوالی ایک بوتل نکالکا آدھا گلاس پی لیا۔میں نے سوٹ کیس کھول کر نائٹ سوٹ نکالااور پہلے واش روم گیا۔اس کے بعد کپڑے تبدیل کئے۔بیڈ پر آکر پہلے دن بھر کا سرانقشہ آنکھوں کے سامنے آیا۔اس کے بعد اپنے گھر اپنے وطن سے لیکر دہلی تک سفر کو پھر کیپلی میں قیام یورپ جانے کی دوڑ دھوپ اور اب یورپ میں آکر یہاں کے ایک ہوٹل کے بیڈ پر گویااپنی زندگی کے اس سفر کی فلم دیکھنے لگا

ہوں۔ فلم کا ایک ایک سین یاد دہانی کر رہا ہے اور تھکاوٹ کے باوجود نیند کوسوں دور نظر آرہی ہے۔ اس دوران ایک قلق ذہن پر حاوی رہا، ہی قلق کے ساتھ ندامت اور افسوس شامل رہا۔ وہ دہلی سے لیکر یہاں تک نمازوں سے محرومی کیونکہ سفر میں نہ وضو رہا اور نہ ہی وقت کے ساتھ قبلہ ملا۔ نیند کب اائی اس کا پتہ نہ چل سکا۔ ہاں صبح تڑکے جاگ گیا دروازے پر دستک ہوتی میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔۔۔۔ میرے لئے بیڈ ٹی لیکر بیڈ کے پاس ٹی پائی پر رکھدی گئی۔ ہم نے ایک دوسرے سےہیلو کے سوا کچھ نہیں کہا۔ بیڈ ٹی پھیکی تھی میں نے فریج سے جلی نکال کر پھیکی چائے کا ایک کپ لیا۔ اس کے بعد واش روم میں آیا۔ نیت وضو کی البتہ قبلہ نہ ندار اللہ سے معافی مانگ لی اور واپسی پر قضا ادا کرنے کی نیت کی۔۔۔

کوئی ایک گھنٹہ کے بعد میرے لئے بریک فارسٹ آیا۔ چائے اور کافی الگ الگ اس کے ساتھ آملیٹ ڈبل روٹی کے سلائیس اور قسم قسم کے پیکیٹ ٹرے میں موجود میں نے آملیٹ لیا اور سلائیس پر مکھن کی جگہ جام لگا دیا۔ اس طرح بریک لگا کر فاسٹ کیا۔ اس کے بعد میں وقت گزاری کے لئے ہوٹل سے باہر آیا۔ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر آون جاون کا نظارہ کرنے لگا۔ مجھے کہا گیا تھا ۹ بجے صبح یہاں سے اپ کو شفٹ کیا جائے گا۔

میں نو بجے سے پہلے پہلے اوپر واپس اپنے کمرے میں آیا اپنے کپڑے پیک کئے اور جانے کی تیاری میں رہے۔

پورے یورپی وقت کے مطابق ۹ بجے صبح چودھری محمود اقبال کے ساتھ یورپی یونین کی وزارت کارجہ کے دو عہدیدار مجھے آج سے دس روز کے لئے اپنا مہمان کا درجہ دینے اور اپنے ساتھ لینے کے لئے حاضر ہوئے۔

ہم سبھی نیچے کونٹر پر آئے ایک رات کی payment چودھری صاحب نے ادا کی۔ اس کے بعد میں میزبانوں کی گاڑیوں میں روانہ ہوا۔ مجھے پارلیمنٹ ہاؤس کے نزدیک ایک فائیو سٹار ہوٹل پہنچایا گیا۔ یہاں ۲۵ جون سے میرے نام کمرہ پہلے ہی بک ہو چکا ہے۔ مجھے کونٹر پر حاضری دلا کر ہوٹل کے دو گارڈ دلا کر اوپر تیسری منزل میں اپنے کمرے تک لایا گیا۔

ہوٹل کے ملام نے اس کمرے کے ڈور پر کھڑے ہو کیا بولا کہ دروازہ خود ہی کھل گیا۔
غالباً انہوں نے سم سم کھل جا کہا ہو گا۔ اور دروازہ اپنے اپ کھل گیا۔

یہاں پر مجھے اس سم سم کھل جا کا ایک پرانا واقع یاد آ گیا۔۔۔ یہ ۱۹۹۲ء کی بات ہے میں پاکستان میں قیام پذیر تھا آزاد کشمیر کے وزیر اعظم سردار قیوم خان کو ان کا ایک وفد کے ساتھ سعودی عرب کے سرکاری دورے کی منظوری مل گئی تھی۔ اس دورے کے وفد میں سردار قیوم خان نے پاکستان میں کشمیر سنٹر کے ڈائریکٹر ریٹائرڈ ایر مارشل ایاز خان سیکریٹری شمیم احمد شمیم مسلم کانفرنس کے مشتاق وائی کرنل فاروق کان کے ساتھ ہمیں بھی شامل کر لیا چونکہ ہم سعودی عرب سرکاری دورے پر جا رہے تھے البتہ عمرہ کی نیت سے سفر شروع کیا۔ نہا دھو کر وضو کیا۔ احرام باندھا اور دو رعکت نفل نماز ادا کر کے کاروں میں بیٹھ کر ائیر پورٹ روانہ ہو گئے۔ جدہ کے لئے جہاز میں سیٹیں بک ہو چکی تھیں۔ جہاز میں سوار ہو کر اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ وقت مقرر پر جہاز نے اڑان بھرلی ہم سب نے لبیک لبیک لا شریک لاک لبیک کا ورد کر کے ہوائی سفر شروع کیا۔ جدہ ہوائی اڈے پر ہماری سعدی سرکار کی طرف سے استقبال ہوا، یہاں کے مہمان خانے میں لیجا کر ایک ایک کپ قہوہ پلا کر اور کھجور کھلا کر ہمیں اپنے ساتھ اگزٹ سے باہر لائے۔ یہاں پر ہر ایک مہمان کے لئے الگ ایک ایک گاری انتظار میں تھی سعودی حکمران ہمارے آگے آگے اور ہم قطار میں ان کے پیچھے چلتے بنے ہر ایک گاڑی کے آگے پائلٹ گاڑی رکھی گئی اتھی میں چار چار وردی پوش مسلح ان کھڑے تھے۔ خانہ کعبہ پہنچ کر عمرہ کی ادائیگی سے پہلے شاہی گیسٹ ہاؤس میں جو کمرے ہمارے نام پہلے ہی الاٹ ہوئے تھے۔ ایک ایک کر کے ہمیں لفٹ کے ذریعے ان کمروں تک پہنچایا گیا تا کہ ہم یہاں اپنا اپنا لگیج رکھ کر واپس آئین اور عمرہ کے فرائض انجام دے سکیں۔ جب اس گیسٹ ہاؤس کے ملازم نے اپنے الاٹ شدہ کمرے میں لانے کے لئے مجھے اپنے نام کے الاٹ شدہ کمرے کے گیٹ تک پہنچایا تو اس نے کیا ورد کیا یہ میں نے نہ دیکھا او نہ سنا دروازہ خود ہی کھل گیا۔ ملازم نے سامان اندر رکھا اور واپس چلا گیا۔ میں واش روم میں دوبارہ

وضو کرنے گیا۔ یہ واش روم کم اور سیشن محل زیادہ تھا۔ اگر اس کو مغل اعظم کا نام دیں تو وہ بھی موزوں اس سیش محل سے باہر نکل آیا تو باہر جانے کا دروازہ نہیں سم سم کھل جا بھی کہا نہیں کھلا سارے حربے آزمائے نہیں کھلا۔ میں پریشان فون کمرے میں موجود تھا لیکن کس نمبر پر کس کو فون کروں سمجھ میں نہیں آیا۔ اُدھر جب سب لوگ عمرہ کی تیاری میں تھے اور مجھے غیر حاضر پا رہے تھے تو مجھے لانے کے لئے کسی شخص کو بھیجا گیا جب اس نے دروازہ کھولا تو مجھ سے شکایت کی کہ میں نے باہر آنے میں دیر کیوں لگا دی نے بتایا دروازہ نہیں کھلا۔۔۔ تو اس نے مجھے سمجھا دیا جب کمرے کے اندر آؤ گے تو یہ بٹن لگا ہے اس کو نہیں دبایا گیا تو دروازہ تب تک نہیں کھلے گا جب تک باہر سے اسے کھولا نہ جائے گا۔ یہ سم سم کھل جا کا معاملہ میرے ساتھ سعودی عربیہ میں پیش آیا تھا۔ اندر آ کر بٹن دبانا بھولنا نہیں۔ یہاں مجھے پتہ چلا، ہوٹل کے اندر سے بند ہونے سے پہلے ہی دبانا پڑتا ہے تاکہ اس کا کنٹرول اپنے پاس رہ سکے۔ برسلز کا یہ ہوٹل اور اس کا کمرہ شاہانہ زندگی کا تصور دیتا ہے۔ ڈبل بیڈ صوفہ سیٹ آرام دہ کرسیاں قیمتی قالین کا فرش رنگین ریشمی پردے ملے لینگ شیل شاندار واشن روم آرٹ گیلری جیسا سماں یقیناً انسان یہاں خود کو بالکل مختلف پاتا ہے۔ یہاں تک اپنا بیتا ہوا کل بھول جاتا ہے۔

میں یہاں اس ہوٹل میں لنچ تک بالکل اکیلا رہ گیا۔ البتہ اس نئے منفرد ماحول میں سارا کچھ نیا نیا دیکھ کر بالکل بھور نہیں ہوا۔ فریج کھول کر وہی مشروبات شراب، میوہ، متھائیاں اور قسم قسم کے بسکٹ کیک موجود ہیں۔ میں نے اندازہ کر لیا یہاں یورپ میں ہوٹل کے کمرے جو یہ فریج اور اس میں کھانے پینے کی جو چیزیں رکھی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب اس گیسٹ کے لئے مہمانوں کے لئے گی جو یہاں ان کے کمروں میں قیام کے لئے آتے ہیں۔ اس کا یہ بعد میں چارج کرتے اور قیمت لیتے ہوں گے چونکہ میرا ابھی تک اپنی جیب سے اپنا کچھ بھی خرچ نہیں ہوا تھا۔ میرے ساتھ انڈین کرنسی کے ساتھ یورو کی کرنسی بھی تھی۔

برسلز بلجیم کی راجدھانی ہے۔ اسی راجدھانی میں پارلیمنٹ ہاؤس ہے۔ اسی پارلیمنٹ

ہاؤس میں دو روز بعد یعنی 2 جون کی شام پانچ بجے خصوصی تقریب میں شامل ہونے کا مجھے دعوت نامہ دیا گیا۔ غالباً اس روز جو یہاں کانفرنس ہو رہی ہے اس میں شامل ہونے کے لئے عالمی سطح پر جن احباب کو دعوت دی گئی ہے ان میں ایک شبنم قیوم بھی ہے۔ یورپی یونین کے وزارت امور خارجہ کے دو عہدیداروں نے مجھے ہوٹل میں پہنچا کر اپنی راہ لی۔ میں اسی ہوٹل کا مہمان تھا اور ہوٹل میرا میزبان۔ البتہ چودھری محمود اقبال میرے ساتھ رہے۔ ہم دن کے بارہ بجے تک اسی ہوٹل کے اسی کمرے میں ساتھ ساتھ رہے اور ایک دوسرے کے ساتھ حالات واقعات اور مشاہدات پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

چودھری صاحب نے مجھے بتایا یہاں کشمیر آزاد کشمیر اور پاکستان کے مختلف شہروں سے یہاں آ کر ملازمت کر رہے ہیں۔ بزنس کر رہے ہیں اور کارخانوں و فیکٹریوں میں ملازمت کر رہے ہیں۔ ان میں سے بیشتر نے یہاں کی سٹی زن شپ حاصل کر لی ہے اور اب وہ یورپ کے ہی باشندے ہیں۔ بیرسٹر عبدالمجید ترمبو پہلے لندن میں مقیم تھے۔ انہوں نے لندن میں ہی ایک سکھ خاتون سے بیاہ رچایا۔ مجید کے ساتھ لو میرج کر کے دائیرہ اسلام میں آ گئی۔ چہ وہ سکھ فیملی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے البتہ اس کا جنم لندن میں ہوا اور اس نے لندن میں ہی تعلیم حاصل کر کے پوری جوانی گزاری ہے۔ ان کے دو لڑکے ہیں جب یورپ میں کشمیر سنٹر چالو کرانے کا فیصلہ لیا گیا تو اسکی باگ ڈور بیرسٹر عبدالمجید ترمبو کے سپرد کر دی گئی۔ انہیں لندن میں کاروبار کے ساتھ بیوی بچوں کو چھوڑ کر یہاں برسلز آنا پڑا۔ ان کو اس سنٹر کا سب سے بڑا عہدہ تفویض کیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے اس سنٹر میں، آزاد کشمیر اور پاکستانیوں کو شامل کیا۔ ان کو مختلف عہدے فائض کئے گئے البتہ ہم سب کو سنٹر سے صرف جیب خرچ ملتا ہے۔ ہماری اصل آمدنی ہمارے کاروبار اور پرائیویٹ ملازمت سے حاصل ہوتی ہے۔ ہم سب نے ملکر کشمیر سنٹر سے کشمیر کاز کو اُجاگر کرانے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔

باتوں باتوں میں جب بارہ بج گئے تو چودھری صاحب نے مجھے لنچ کے لئے اپنے ساتھ لیا۔ انہوں نے یہاں ہوٹل میں لنچ کرانے کے بجائے باہر اپنی مرضی کا لنچ لینے پر اتفاق کیا اور

میں ان کے ساتھ ہو لیا۔

گاڑی میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ کہاں جا کر ہم لنچ کریں گے یہ میں نے پوچھا اور نہ ہی جاننے کی ضرورت محسوس کی۔

ایک بات بتا تا چلوں ہم جہاں جس ہوٹل میں قیام پذیر ہیں۔ یہ پارلیمنٹ کے نزدیک ہے البتہ یہ سارا علاقہ پوش علاقہ مانا جاتا ہے۔ یہاں گردو پیش میں کابینہ درجے کے وزراء اور پارلیمنٹ ممبران کی کوٹھیوں کے ساتھ سرکاری دفاتر ہیں۔ اعلیٰ عہدیداروں کے دفاتر کے ساتھ رہائشی بنگلے ہیں۔

میں نے دیکھا اور اندازہ کر لیا چودھری صاحب مختلف الگ روٹ پر جا رہے ہیں۔ کیونکہ شہر سے نکل کر اب ہم بستی سے نکل کر جدھر جا رہے ہیں ہمارے دونوں طرف کھیت اور کھلیان ہیں۔ سبز باغ ہیں میوے کے درخت ہیں۔ اس راستے پر آون جاون کچھ کم ہی ہے۔ البتہ یورپ کے اپنی شان ہے۔ مجھے لگا ہم کوئی پندرہ کلومیٹر چل کر ایک ایسی جگہ آئے ہیں جہاں دور دور بستی نظر آ رہی ہے۔ یہاں بر لب سڑک ایک جگہ پانچ کاریں اور ساتھ بائیک کھڑے ہیں۔ چودھری صاحب نے انہی کے درمیان خالی جگہ پر اپنی کار کھڑی کر دی ہم دونوں کار سے اُتر آئے پاس ہی ایک جھونپڑی ہے۔ اس کے سامنے بغیر بیل کے بیل گاڑی ہے۔ یہ بیل گاڑی اتنی اونچائی پر کھڑا رکھی گئی ہے کہ آدمی کو ذرا سا سر جھکا کر اس بیل گاڑی سے گذر کر اندر جانا پڑتا ہے۔ اس پرانی طرز کی جھونپڑی کی چھت گھاس کی بنی ہے البتہ یہ گھاس پالتھین شینٹ کے اوپر ترتیب سے لگائی گئی ہے۔

اصل میں یہ ایک ریسٹورنٹ ہے اس کے اندر بیل گاڑی کے نیچے سے گزر کر اندر جانا پڑتا ہے۔ اس کے اندر آ کر ہم کسی آرٹ گیلری میں آ چکے ہیں۔ یہ آرٹ گیلری ہمیں پاکستان کے صوبہ بلوچستان کا نمونہ پیشکر رہی ہے۔ ہم یہاں پر خالی جگہ پر بیٹھ گئے۔ مجھے بتایا گیا اس ریسٹورنٹ کو پاکستان کے میاں بیوی چلا رہے ہیں۔ وہی دونوں کھانا وغیرہ بنا کر سرو کراتے ہیں۔ یہاں خالص پاکستانی اور وہ بھی بلوچ کھانے ملتے ہیں۔ یہاں کھانا کھانے والے

چائے اور مشروبات پینے والے عام طور پر راہگیر ہیں البتہ برسلز میں رہنے والے پاکستانیوں کے ساتھ ہندوستانی بنگلہ دیشی اور افغانستانی بھی یہاں آ کر شوق سے کھانا کھاتے ہیں۔ ہمارے سامنے پوچھے بنا چکن سوپ کے دو بڑے چینی پیالے پیش کئے گئے۔ ہم نے پلاسٹک کے کھلے چمچوں سے گرم گرم چکن سوپ جو کافی گرم اور گھاڑہ ہے آہستہ آہستہ نوش کر لیا۔ سچ پوچھو تو میرا پیٹ اسی سوپ کے ایک پیالے سے بھر گیا۔ اس لئے میں نے مختصر کھانا منگوانے کی تاکید، ہم نے چکن بریانی اور ساتھ میں دہی اور قورمہ طلب کر لیا۔

یہاں زیادہ رش تو نہ تھا، لہٰذا اسکون میسر ہوا آرٹ گیلری نے مجھے بڑا محظوظ کیا۔ میں میاں بیوی کی سوچ اور اپروچ کی داد دئے بغیر نہ رہ سکا۔ لنچ سے فارغ ہو کر ہم بیل گاڑی سے نکل آئے گاڑی میں سوار ہوئے چودھری صاحب نے گاڑی واپس موڑنے کے بجائے دور نظر آنے والی بستی کی طرف کار دوڑ کافی دور جا کر اور بستی کے نزدیک آ کر گاڑی ایک سرنگ میں گھس گئی کوئی دوڈھائی کلومیٹر کی اس سرنگ سے گزر کر ہم بستی میں آگئے۔ یہاں سے چل کر شاہراہ پر آگئے۔ سجے سجائے بازار شاپنگ کمپلیکس ان ہوٹل پار کیں مختلف اقسام کے ساتھ ضروریات زندگی کے سیلز ڈیپومات کے ساتھ جوتوں کی دکانیں مچھلی مارکیٹ سبزی، مارکیٹ شاہراہ پر مختلف ونگوں مختلف سائز کی گاڑیاں بسیں ٹرامیں اور بائیک کے ساتھ سائیکل سوار بھی نظر آرہے ہیں۔ ہر سو جانب گہما گہمی ہے دوڑ دھوپ ہے۔ الیکٹرانک مصنوعات کا بازار الگ ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہوئی جہاز، سمندر جہاز سے لیکر ریل اور میٹروبوٹک سے لیکر لوڈ کیریر تک ٹراموں سے لیکر ویگنوں تک کاروں سے لیکر سائیکلوں تک پورا نظام یہاں کمپیوٹرائز ہے۔ ان کا سارا سسٹم رموٹ پر ہے۔ یہ ماننا پڑتا ہے۔ یہ زندگی کی دوڑ میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔

یہاں کے باشندے مرد ہو یا عورت جوان ہو یا بوڑھا عورت ہو یا لڑکی ہر ایک کے چہرے پر سکون اور بشاشت ہے۔ کوئی تردد نہیں کوئی ٹینشن حقیقی معنوں میں یہ زندگی کا

لطف اٹھا رہے ہیں۔

نیم عریاں تتلیاں جوان مردوں کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ کر بانہوں کو بانہوں میں ڈال کر خراماں خراماں دنیاوں فیہا سے بے خبر اپنے طور پر چل رہے ہیں۔ چلتے چلتے بوس کنعار کے لئے رک جاتے ہیں۔ پھر قدم آگے برھاتے ہیں۔ انجوائے ان کا مقصد ہے اس کو پورا کرنے کے لئے آزاد ہیں۔

ہم کار میں بیٹھ کر اس سارے ماحول کا آون جاون کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ہم چلتے چلتے کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ اس کا پتہ چودھری صاحب کو ہو گا۔ میرے لئے وقت پاس ہونا اور اس وقت میں سارا کچھ نیا نیا دیکھنا میرے لئے غنیمت ہے۔ میرے اپنے اندازے کے مطابق ہم نے سو کلو میٹر سے بھی زیادہ سفر طے کر لیا۔ ہم کوئی چھ بجے کے قریب اپنے مقام پر اپنے ہوٹل جا پہنچے، چودھری صاحب نے مجھے ہوٹل کے پاس ڈراپ کیا اور رخصت ہو کر روانہ ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ان کا زیر بار احسان ہوا نکہ اگر مجھے کشمیر سنٹر کی طرف سے یہ شخصیت نہیں ملی ہوتی تو میں برسلز کو دیکھ نہ پاتا۔

۲۷ رجون کی صبح بریک فاسٹ میں میرے ساتھ وزارت خارجہ کے امور کے دو عہدیدار شامل رہے۔ انہوں نے بریک فاسٹ کے دوران اس بات کی یاد دہانی کرائی کہ آج شام پانچ بجے پارلیمنٹ کے کانفرنس ہال میں میری شمولیت ہو گی۔ نیز یہ بھی بتایا اگر آپ برسلز اور بلجیم کو قریب سے دیکھنا چاہیں گے تو ہم گاڑی کے ساتھ گائیڈ فراہم کریں گے۔ اس پر میں نے ان کا شکریہ ادا کیا او بتایا میری یہ خواہش کشمیر سنٹر والے پوری کر رہے ہیں۔ وہ اپنی گاڑی اور گائیڈ فراہم کر رہے ہیں۔ آج ہمارا پروگرام بلجیم کے شیش محل جانے کا ہے۔ ہم کو اپنے ساتھ لینے کے لئے کوئی آتا ہو گا۔ اس جانکاری ملنے پر یہ دونوں عہدیدار ہم سے رخصت ہو رہے تھے کہ کشمیر سنٹر سے شاہجہاں میر اپنی گاڑی لیکر آ گیا۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ ہو لیا اور ہم بلجیم کے شیش محل کی طرف روانہ ہوئے۔

میں آپ کو یاد دلاؤں یہاں بلجیم میں الگ سا کوئی شیش محل نہیں بلکہ پورا ایک علاقہ ہے

جہاں شیشوں کے کارخانے ہیں۔ بلجیم شیشے کی پیداوار میں سرفہرست ہے۔ بلجیم کی شیشہ سازی پورے عالم میں مشہور ہے۔ بلجیم کے آئینے ماضی میں تحفے کے طور لئے جاتے یہاں شیشے کے گلاس سے لیکر بڑے جار تک شیشے کے برتنوں سے لیکر چھتوں پر لٹکانے والے جھالر تک نہ صرف بنائے جاتے ہیں بلکہ عالمی منڈیوں تک پہنچائے جاتے ہیں۔ ایک وقت تک جب برصغیر بھی شیشوں کے بارے میں بلجیم کا محتاج تھا۔

اس کا نظریہ لیکر ہم جارہے ہیں۔ صاف شفاف اور کھلی ہٹ سجے کیسجائے دکانات شاپنگ کمپلیکس سوداسلف کی کھلی ماکٹیں سب نظروں سے گزر رہی ہیں۔ خال خال ہی کوئی پیدل چل رہا ہے۔ کہیں کہیں فٹ پاتھ پر ٹیبل کرسی لگا کر خورونوش ہورہی ہے۔ کھڑے کھڑے، چلتے چلتے یا کسی جگہ بیٹھے بیٹھے یورپ کے جوان جوڑے آپس میں گلے لگ کربوس و کنعار کرکے انجوائے کررہے ہیں۔ اپنی زندگی اپنی ، نہ مسئلہ کوئی خیال نہ کوئی پرواہ۔ ریسٹورانوں میں بڑی گہما گہمی ہے۔ سڑک سڑک کے کنارے اور رکھتے چلتے بزرگ مرد گٹاراوروائلن بجا کر خود کو محفوظ کررہے ہیں۔ کہیں کہیں راہگیر کی فرمائش پر اُن کی مرضی کی دھن بجاتے ہیں۔ ہم انجان منزل کی طرف جارہے ہیں۔ جاتے جاتے وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جو ہمیں راستوں کے دونوں جانب دیکھنے کو ملتا ہے۔ کوئی ایک بجے کے قریب شاہجہاں نے مجھے ایک ایسے مارکیٹ تک پہنچادیا۔ جہاں دور دور تک جہاں تک نظریں جاتی ہیں۔

سڑک کی دونوں جانب پکوانوں کی دکانیں لگی ہیں۔ ان پکوانوں کی دکانوں سے دھوئیں کے ساتھ بھاپ بھی خارج ہورہا ہے۔ شاہجہان نے ایک جگہ کار پارک کی اور یہاں سے ہم پیدل چل کر پکوان کی مارکیٹ میں آگئے۔ اپنے اپنے ملک کا سائین بورڈ اپنی اپنی زبان البتہ انگریزکے ساتھ اُس ملک کے پکوان کی نشاندہی کررہا ہے۔ اسی طرح کئی یورپی کے ساتھ مڈل ایسٹ افریقی، جاپانی، چینی اور ایشیائی کے ساتھ ہندوستانی پاکستانی بنگلہ دیشی اور افغانستانی بینرس تلے پکوان پکائے جاتے ہیں کھاتے جاتے ہیں اور پیک کرکے اپنے ساتھ لئے جاتے ہیں۔ لنچ کے ٹائم پر اس وقت یہاں کافی رش دیکھنے ، بلکہ ملایک پاکستانی پکوان گھر میں

داخل ہوئے یہیں پر لنچ کر کے واپس چلدئے۔

یہ جان کر کہ ہمیں ہر حالت میں پانچ بجے سے پہلے پہلے واپس پہنچنا ہے۔ ہم نے شیشوں کے پوری مارکیٹ دیکھنے کے بجائے تھوڑا سا یکھنے پر قناعت کی اور واپس مڑ گئے۔ پانچ بجے شام پارلیمنٹ کے کانفرنس ہال پہنچا تھا۔ کشمیر سنٹر کے ایگزیکٹوڈائریکٹر کی ہدایات کے مطابق مجھے کشمیر سنٹر آ کر یہاں سے ان کے ساتھ کانفرنس ہال جانا ہے۔ کیونکہ اس روز یہاں اسس کانفرنس ہال میں کشمیر سنٹر کی طرف سے کانفرنس کا انعقاد ہو رہا ہے۔

ہم کوئی دن کے سوا چار بجے کشمیر سنٹر پہنچ گئے۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں آج کی تقریب سے متعلق ایگزیکٹوڈائریکٹر کی طرف سے سنٹر کے عہدیداروں کو بریفنگ دی گئی تھی۔ اب سبھی آپس میں تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔ ہم کو واپس آتے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ یہاں اس وقت کشمیرواچ کے عبداللطیف بٹ بھی موجود تھے۔ مجھ پر ان کی نظر پڑتے ہی وہ میرے پاس آگئے اور ہم ایک علیحدہ جگہ پر براجمان ہو کر ایک دوسرے کے حال واحوال معلوم کرنے لگے۔ ہم دونوں آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ کشمیر سنٹر کا ایک ملازم قریب آیا اور ہم دونوں کو سنٹر کے آفس میں جانے کا عندیہ دیا۔ ہمیں آفس کیوں جانا ہے کیا کرنے جانا ہے یہ جانے پوچھے بنا ہم ان کے ساتھ ہو لئے آفس میں اس وقت ایک لیڈی کمپیوٹر پر کام کر رہی تھی۔ انہوں نے ہمیں اندر آتے دیکھ کر کام روک دیا اور رجسٹر پر کچھ درج کرنے کے بعد ہم دونوں کو ہمارے نام کے ساتھ ایک لفافہ دیا۔ ہم نے لفافہ لیکر کھولا تو اس میں یوروڈالر دیکھ کر ہم نے ان سے پوچھا۔۔ یہ کیا ہے؟

انہوں نے بتایا یہ سنٹر کی طرف سے آپ کے لئے جیب خرچ ہے۔

ایک ہزار یورہ ڈالر کے رجسٹر پر رسید لئے گئے۔ اس کے بعد ہم واپس دوسرے کمرے میں اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔

عبداللطیف کے ساتھ میرا دورہ پاکستان کے دوران اکثر ملاقاتیں ہوتی رہی۔ کئی بار میں نے اُن کے ساتھ اُن کی رہائش گاہ پر بھی قیام کیا۔ کشمیر سنٹر میں آپس میں حالات پر تبادلہ

خیالات کرتے رہے وہ اپنے لیپ ٹاپ سے خبریں حاصل کر کے ان کو اپنے طور پر وائرل کرانے میں بھی مصروف رہے۔

پندرہ منٹ پہلے بیرسٹر عبدالمجید ترمبو نے مجھے اور لطیف بٹ کو اپنے ساتھ یورپ کی پارلیمنٹ میں منعقد اجلاس میں شرکت کے لئے لیا۔ چونکہ سفر دس منٹوں کا تھا ہم پیدل چلدے، پارلیمنٹ ہاؤس پہنچنے سے قبل میں نے دیکھا سڑک پر ریڈ کارپٹ بچھا ہے۔ سڑک کے دونوں جانب یورپی یونین کے بینڈ اور سیکورٹی کے چاک و چوبند کھڑے ہیں۔ غالباً کسی اہم ہستی کے انتظار میں ہیں۔ چونکہ ریڈ کارپٹ بچھا تھا لہٰذا یہ ہمارے یہاں سے چل کر پارلیمنٹ ہاؤس پہنچنے کا سوال ہی نہ تھا۔ ہم ایک جانب رک گئے کچھ دیر بعد یہاں پر ایک شاندار بلڈنگ سے ایک لیڈی برآمد ہوئی ایک چابکدست وردی پوش سپاہی نے ایک کھلی چھتری سے اس کا سایہ، کیا ہی یہ لیڈی گیٹ سے باہر آئی سڑک پر پولیس کے چاک و چوبند دستے نے انہیں گن سلوٹ دیا اس کے ساتھ دونوں سائیڈ پر کھڑے بینڈ نے دھن سے سماں باندھ لیا۔ یہ لیڈی پولیس بینڈ کی دھن پر ریڈ کارپٹ پر ہنس کی چال میں چل کر پارلیمنٹ ہاؤس کی جانب قدم بڑھاتی رہی سیکورٹی دستوں کے ساتھ بینڈ ان کے پیچھے پیچھے چلا تو ہم نے بھی انکے ساتھ چلنا شروع کیا۔

پارلیمنٹ کے کانفرنس ہال میں آ کر میں اور لطیف بٹ ساتھ ساتھ دو کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ہال کچھا کھچ بھرا ہے اور کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے معزز سامعین برابر آ رہے ہیں اور خالی کرسیوں پر بیٹھ رہے۔ کانفرنس ہال کے ساتھ گیلری کا بھی یہی حال رہا۔ بیرسٹر عبدالمجید ترمبو کو ہم نے دیکھا نہیں وہ کہاں پر جا کر بیٹھا۔ کانفرنس ہال میں ملک کی بارہ زبانوں کے ٹرانسلیٹر اپنی اپنی گیلری میں بیٹھے ہیں ان کی گیلری میں آگے شیشے لگے ہیں ان پر ان کے ملکوں کے لوگو چسپاں ہیں۔ امریکہ برطانیہ کے ساتھ یورپی یونین اور دیگر کئی ممالک کی نیوز چینلز پورے ہال میں اپنی اپنی پوزیشن میں کھڑے ہیں۔

یورپی یونین کی اس پارلیمنٹ کے کانفرنس ہال میں باہر سے آنے والے احباب کو خالی کرسی

پر بیٹھنے کے بعد ایک پمفلٹ پیش کیا جاتا ہے۔اس میں کانفرنس سے متعلق تفصیلات کے مطابق اسی مہینے سن ۲۰۰۵ میں پاکستانی زیر انتظام کشمیر اور ہندوستانی زیر انتظام کشمیر میں زلزلہ کی تباہ کاری کا موضوع درج ہے۔اس کانفرنس میں شامل دیگر ممالک سے دعوت پر آنے والی شخصیات کے نام اور عہدے درج ہیں۔ کوئی دو سو کے قریب نام درج ہیں۔البتہ میں نے صرف برصغیر سے آئے ہوئے چیدہ چیدہ ناموں کو الگ طور سے درج کیا۔

پاکستان سے وفاقی وزیر امور کشمیر مسٹر طارق، اقبال سیکریٹری جاوید احمد بٹ فسٹ سیکریٹری سکنڈ شکیل احمد کشمیر واچ کے ڈائریکٹر عبدالطیف بٹ ایڈیٹر نوائے وقت ارشد محمود پورٹر عارف حسین وغیرہ ہم آئے ہیں۔ان کے علاوہ دوسرے ممالک سے بعض شخصیات میں رضوان علی ڈاکٹر فوریہ زیب خان، خواجہ کریم احملک سلیم ایم ایس ندیم رشید جاوید سید سبرین حسین خان غلام کبریا چودھری جاوید میر غزل اسلام، اصغر، مستجیب حسین محمود فرانسس شہباز کر اہلال محسن خان ممتاز راٹھور وقار ملک راجہ مختار ملک وغیرہ ہم۔بعض اہم شخصیات میں بی بی سی لندن Domon Embding اور یہاں کی جرنسلٹ Marintafer اور Laduronl Lxon وائس پریذیڈنٹ IGR Rofurt Almer/F.U Clementin نیز ME.P FlimorBlair۔پورے ہال میں لگ بھگ تین سو لوگ براجمان۔اوپر پوری گیلری بھی بھری ہے۔پورے ہال میں اوپر دیوار سے لگے بکس لگے ہیں ان کے سامنے فل شیشے ہیں۔ان کے اوپر اپنے اپنے ملک کالو گو چسپاں ہیں۔یہاں سے بیک وقت بارہ زبانوں کے ترجمے نشر ہو رہے ہیں۔نمایاں بانوں میں انگریزی، یورپی، چینی، روسی عربی، جاپانی، ہندی ، اُردو اور دوسری زبانیں شامل ہیں۔

کانفرنس ہال کے اوپر لگے ڈائس کے ساتھ جانے اور آنے کی دو سیڑھیاں لگی ہیں۔ ڈائس پر معزز مہمانوں کے لئے ساتھ شاندار کرسیاں لگی ہیں۔ہر کرسی پر معزز مہمان کے نام کی سلپ چسپاں ہے۔ کہیں سے معزز مہمانوں کے لئے ڈائس پر آنے کا اعلان ہوا۔سب

سے پہلے Gary Taitly کا نام لیا گیا۔ جب وہ ہال میں اپنی نشست سے کھڑے ہو کر آگے بڑھے اور سڑھیاں چڑھنے لگے تو ہال میں بیٹھے احباب نے تالیاں بجا کر ان کا سواگت کیا۔ سیڑھی چڑھ کر جب اپنے نام کی کرسی پر بیٹھ گئے تو اس کے بعد دوسری اناؤنسمنٹ ہوئی رائٹر ہسٹارین، جرنلسٹ وادی کشمیر شبنم قیوم۔ نے نام کی اناونسمنٹ سن کر میں گویا چونک اٹھا، میں لطیف بٹ کی طرف اور لطیف بٹ میری طرف دیکھنے لگا۔ خلاف توقع میرے لئے ڈائس پر آنے کی نوعید میں اپنی کرسی سے، تمام ہوٹیلوں کے کیمرے میری طرف مڑ گئے۔ میں ہال میں چلتے چلتے سیڑھی تک آ گیا اور جب سیڑھیاں چڑھنے کے لئے پہلی سیڑھی پر دھائیاں پاؤں رکھا مجھے لگا میں فرش سے عرش کی طرف جا رہا ہوں۔ یورپی یونین کی پارلیمنٹ کا کانفرنس ہال پورا ہال یونین کے وزراء پارلیمنٹ ممبران عالمی ہستیاں ور عالمی سطح کے پریس اور میڈیا پوری کارروائی کا بارہ عالمی زبناوں میں نشریاتی انتظامات یقینا میرے لئے یہ سب اچانک اور خلاف توقع بہر حال اپنی چال سے سیڑھیاں چڑھ کر میں ڈائس پر آیا یہاں دوسری کرسی پر میرا نام چسپاں تھا۔ میں اس پر بیٹھ گیا اور پورے کانفرنس ہال کا جائزہ لیا۔ ایک کے بعد ایک شخصیات کا نام اناونس ہوتا ہوا ایک کرسی جو میرے ساتھ میرے بائیں بغل کے پاس تھی خالی رہی۔ تقریب کے آغاز کے لئے کسی بڑی ہستی کا انتظار محسوس کیا۔ تھوڑی دیر بعد ہال کے گیٹ سے اندروہی لیڈی داخل ہوئیں جن کاریڈ کارپٹ پر گارڈ آف آنر ہوا ان کے ہال میں داخل ہونے پر سارا ہال کھڑا ہوا اور پریس اور میڈیا ان پر فوکس ہوا۔ سرکاری پروٹوکول کے ساتھ وہ خراماں خراماں، آ کے بیٹا گئی چڑھی اور پھر میرے پاس میرے بغل میں بیٹھ گئی۔ سیریل نمبر کے ساتھ میری دوسری اور چیف گیسٹ میڈیم Rose Merry کی تیسری مزید چار کرسیوں میں سے ایک پر بریسٹر عبدالمجید ترمبو براجمان ہوئے۔

کانفرنس کا آغاز ہوا ایک وردی پوش صاحب دونوں ہاتھوں میں ایک ٹرے لیکر آ گئے۔ ان کے پیچھے دو اور وادی پوش ان کے ساتھ چلے آئے یہ ٹرے چیف گیسٹ بلجیم کی ملکہ

Rose Merry کو پیش کی گئی۔انہوں نے اپنی چیئر سے کھڑے ہو کر یہ ٹرے اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لی ایک بار اور میرا نام۔۔رائٹر ہسٹارین اور جرنلسٹ وادی کشمیر شبنم قیوم اناؤنس ہوا چیف گیسٹ نے یہ ٹرے مجھے پیشکی بیلورنگ کے گول ستاروں یعنی یورپی یونین کے پرچم میں لپیٹ کر یہ ٹرے میں نے قبول کرلی۔ڈائس کے ساتھ سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا میں نے دیکھا عبد اللطیف بٹ بھی اس ساری کارروائی کو اپنے کیمرے میں قید کررہا ہے۔میں نے پاکٹ لیا اور ٹرے واپس کردی۔اس کے ساتھ کانفرنس کی کارروائی شروع ہوئی۔سچ تو یہ ہے کہ میں نے کانفرنس پر خاص کوئی دھیان نہ دیا۔میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا یہ جاننے اور دیکھنے کے لئے کہ مجھے یورپی یونین کی طرف سے جو تحفہ پرچم میں لپیٹ کر پیش کیا گیا اس میں کیا ہے۔۔۔؟میرے اندر یہ تجسس برقرار رہا۔

یونین کابینہ کے لیڈر مسٹر James Elles نے تقریب کا آغاز کیا۔انہوں نے ۸/۱ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو پاکستانی زیر انتظام کشمیر اور ہندوستانی زیر انتظام کشمیر میں زلزلے سے تباہ کاری مالی اور جانی نقصان کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا اور اس سلسلے میں یورپی یونین دونوں خطوں کے زلزلہ سے متاثرین کے لئے جو مالی امداد فراہم کی تھی اس کا خاکہ پیش کرانے کے ساتھ ان آفت زدہ خطوں کے لئے مزید امداد کا عندیہ دیا اور اس میں عالمی برادری کو مزید تعاون دینے کی اپیل کی گئی۔زلزلہ کے موضوع سے ہٹ کر انہوں نے دیرینہ مسئلہ کشمیر کے حل کی پیشکش کے لئے دونوں ممالک ہندوستان اور پاکستان کو یورپی یونین کی ثالثی منظور کرانے کی استدعا کی۔ان کے بعد مسٹر Ceary Titly نے کم و پیش زلزلے اور کشمیر مسئلہ پر انہیں خیالات کا اظہار کیا البتہ انہوں نے وہ تفصیل بھی بتائی جو گزشتہ سال ان کے کشمیر دورے سے متعلق تفصیل تھی۔انہوں نے دونوں ممالک کے سرکاروں سے مسئلہ کشمیر کے حل سے متعلق اپنی تجاویز پیش کرانے کا اعادہ کیا۔ان کے بعد مائک پر پاکستان کے امور کشمیر کے وزیر طاہر اقبال نے زلزلہ سے متاثرین کے لئے حکومت پاکستان کی طرف سے اٹھائے گئے اقدامات کی تفصیل بتادی اور مزید ضروریات کے لئے فنڈس مہیا کرانے کی ایک

اپیل جاری کی۔ زلزلہ سے متعلق تفصیلات فراہم کرا کرانہوں نے اپنا رخ مسئلہ کشمیر کی طرف موڑ دیا۔ انہوں نے اس دیرینہ مسئلہ کے حل سے متعلق بھارت سرکار کی بے اعتنائی کا اظہار کر کے بتایا بھارت سرکار کی طرف سے اس مسئلہ کے حل کے متعلق کوئی پیش رفت دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کرانہوں نے یورپ میں کشمیر سنٹر کی کار کردگی پر بھی روشنی ڈالی۔

ان تقاریر کے بعد ملکی اور بیرون ممالک کے پریس نمائندوں کی طرف سے سوال و جواب کا سلسلہ جاری ہوا۔ سوال کس نمائندے نے کیا کیا اور اس کو کس نے کیا جواب دیا۔ اس پر میں نے خاص کوئی دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ میرا دھیان اس پاکٹ کی طرف فوکس تھا جو مجھے ٹرے میں لا کر یورپی یونین کے پرچم میں لپیٹ کر تحفہ کے طور پیش کیا گیا۔ اس پاکٹ میں کیا ہے یہ تجسس مجھ پر جاری رہا۔ اس کانفرنس کی ساری کارروائی ہال کی گیلری میں فکس شیشے کے بکس سے بیک وقت بارہ زبانوں سے ترجمے ہو رہے تھے۔ کس زبان سے کس بکس سے ترجمہ کو کر نشر ہو رہا تھا۔ وہ ان شیشوں کے بکس پر لگے اُس ملک کے لوگو سے ظاہر ہو رہا ہے۔ دنیا بھر کے بعض اہم نیوز چینلز سے پوری کارروائی نشر ہو رہی ہے۔ غالباً اس میں میرے اندر کا تجسس بھی افشا ہوا۔

اس خصوصی اجلاس جو ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا اس کے اختتام کے اعلان کے ساتھ سامعین کو پارلیمنٹ سے ملحقہ بلڈنگ کی تیسری منزل کے ہال میں آنے کی دعوت دی گئی۔ ہم سب کھڑے ہو گئے۔ اسی دوران بلجیم کی شاہی Rose Merry کا باڈی گارڈ آیا اس نے مجھے ایک کارڈ پیش کر کے بتایا کل سویرے گیارہ بجے آپ کی روز مری ان کے ساتھ ملاقات ہو گی۔ اس پر میں نے روز مری کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اپنی نرگسی چشم وا کر کے اس ملاقات کا اقرار کر لیا۔ روز مری ہمارے ساتھ دوسری بلڈنگ میں آنے کے بجائے واپس روانہ ہوئی۔ میں نے کارڈ پر نظر ڈالی تو ان کے نام کے ساتھ بلجیم کی ملکہ کا خطاب درج تھا۔ ہم سب میزبانوں کے ہمراہ چل کر اُس ہال میں آ گئے۔ جہاں پاکستانی زیر

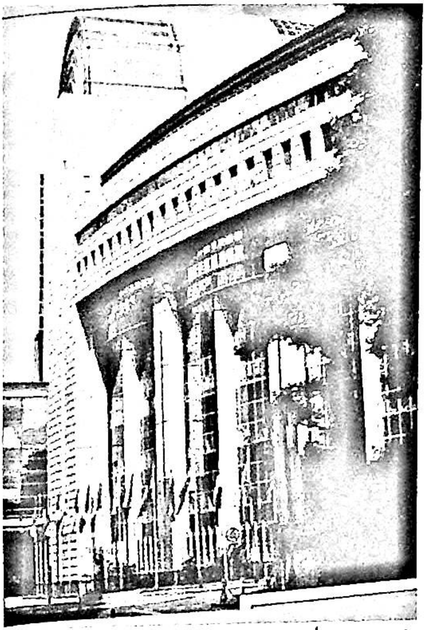

یورپی یونین کی مملکت بلجیم کی راجدھانی برسلز کی اس عمارت میں
شبنم قیوم کو انعام واکرام سے نوازا گیا

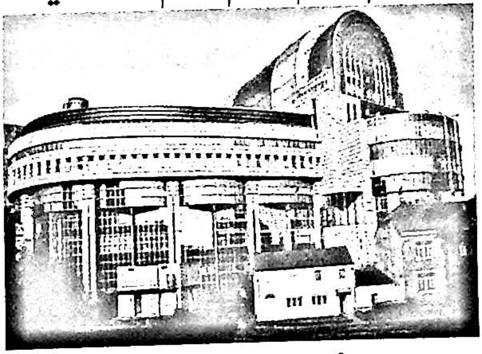

اس بلڈنگ میں شبنم قیوم کو مہمان اعزازی کے ساتھ
ملکہ روزمری کے ہاتھوں عزت افزائی کی گئی

پارلیمنٹ ہال کے ڈائس پر بلجیم کی ملکہ کے بغل میں شبنم قیوم کی نشست ایک بڑا اعزاز

وادی کشمیر کے نامور قلمکار، ہسٹارین اور جرنلسٹ کا نام لیکر انہیں ڈائس پر آنے کا مائیک کے ذریعے اعلان ہوا۔
ڈائس کی طرف جاتے ہوئے شبنم قیوم کا استقبال

بلجیم کی ملکہ روزمری کی دعوت پر اُن کے محل کے گیٹ پر شبنم قیوم کا سٹاف ممبران کی طرف سے والہانہ استقبال

انتظام کشمیر اور ہندوستانی زیر انتظام کشمیر کے زلزلہ کی تباہی کی کہانی تصویروں کی زبانی کی نمائش لگی تھی۔ ہال کے چاروں طرف دیواروں کے علاوہ سنٹر ہال میں ڈیسک لگا کر ان پر دردناک اندوہناک افسوسناک اور عبرتناک تصویریں اس قدرتی آفات کے ساتھ تباہ کاری بربادی اور جانی کے ساتھ مالی نقصان کی نشاندہی کی گئی ہے۔

یہاں ایک سائیڈ میں بڑا اسکرین لگا کر اس زلزلہ سے متعلق ایک ٹیلی فلم دکھائی جا رہی ہے۔ اس کا سارا انتظام برسلز میں مقیم کشمیر سنٹر نے اپنے طور سے کیا ہے۔ اس کانفرنس کے ساتھ اس نمائش کا کریڈٹ کشمیر سنٹر کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر عبدالمجید ترمبو کے ساتھ اس سنٹر کے دیگر عہدیداروں اور عملے کو دیا گیا۔ ان کے کام اور محنت کی سراہنا کی گئی۔ زلزلہ سے متعلق معلومات فراہم کرانے پر اور اسکے لئے دل کھول کر چندہ دینے کی راہ ہموار ہو۔ زلزلہ سے متعلق کئی زبانوں میں شائع کیا گیا لٹریچر بھی یہاں تقسیم کیا گیا۔ شام گئے تک یہ تقریبات جاری رہیں۔

میں یہاں سے نکل کر اور پیدل چل کر ہوٹل تک آیا۔۔۔ لفٹ کے ذریعے اُوپر جا کر میں اپنے کمرے کے پاس آیا۔ بائیاں پیر ذرا سا دبایا۔ دروازہ کھل گیا۔ میں اندر آیا بٹن دبا کر اسے بند کیا۔ میں صوفہ پر بیٹھ کر بڑی بے صبری سے یورپی یونین کے پرچم میں لپیٹے بکس کو کھولا، اس میں تین رنگوں کی ایک نکٹائی تھی کے ساتھ ایک ڈبی میں سنہری رنگ کی کلپ تھی۔ لفافہ کھول کر دیکھا تو اسمیں سو سو کے یورو ڈالر تھے پوری رقم پانچ ہزار یورو ڈالر تھی۔

میں اس عزت واحترام سے انعام واکرام پر غور کرنے لگا۔ بہت کچھ جان کر بھی کچھ بھی نہ جان سکا۔ میں یہ بھی سوچنے لگا۔ یہ روز میری بلجیم کی بلکہ ہے اس کا اتنا بڑا اور اہم پٹر وکول، گارڈ آف آنریڈ کارپٹ اور پولیس کی سلامی نے مجھے کل دن کے گیارہ بجے اپنے محل میں کیوں بلایا۔ اس پر مجھے اچانک ایک جھٹکا سا لگا۔

اس جھٹکے میں میری ایک بڑی کمزوری کا عمل دخل رہا کیونکہ میں کسی حد تک انگریزی کو سمجھ سکتا البتہ بول نہیں سکتا اور وہ سوال وجواب کے دوران کھل کر یہ کچھ بولنے سے نہیں

گھی عزت واحترام کے ساتھ انعام واکرام ماند پڑ گیا۔اسی ادھیڑ بھن میں مجھے ڈائنگ ہال میں آکر ڈنر کرنے کے لئے فون کیا گیا۔

سچ پوچھیے تو آج کی اس رات کو مجھے کھل کر نیند نہیں آئی اور ڈنلپ پلنگ پر کروٹیں بدلتا رہا۔ مجھے میری کمزوری نے اس قدر لتاڑا کہ میں عزت واحترام کے ساتھ انعام واکرام بھول گیا۔ کل کیا ہوگا۔۔۔؟ ہم سے کیا کہا جائے گا کیا جانا جائے گا۔اگر سارا بھانڈا پھوٹ گیا تو میری کیا عزت رہے گی۔ کیونکہ کل میں یورپ کی جس بڑی ہستی سے ملاقات کے لئے جارہا ہوں۔وہ کوئی معمولی ہستی نہیں ہے ملکہ کس عہدے پر فائز ہے اس کی ابھی تک مجھے کوئی جانکاری نہیں ملی البتہ ان کا پر تکلف گارڈ آف آنر سلامی، ریڈ کارپٹ اس بات کی دلالت ہے ان کا بڑا بلند عہدہ ہے۔

الغرض یہ ساری رات میری ایک تذبذب میں ، گذری اُس وقت میں بڑی گہری نیند میں تھا جب بیڈٹی لینے ڈور پر دستک ہوئی مجھے بڑا ناگوار گزرا پر اٹھنے کی دروازہ کھولنے کی مجبوری تھی۔میں نے بیڈٹی بالکل نہیں لی کو واش روم میں پھینکا اور واپس بستر پر آکر سو گیا، البتہ بریک فاسٹ پر میں نہادھو کر تیار تھا۔اس روز دس بج کر بیس منٹ پر مجھے فون پر کشمیر سنٹر آنے کی ہدایت ملی البتہ میں نے بارہ بجے کے بعد آنے کا وعدہ کیا۔یہ بالکل نہیں بتایا میری آج گیارہ بجے یورپ کی ایک بڑی ہستی سے ملاقات کا ٹائم فکس ہے۔

میں پونے گیارہ بجے ہوٹل سے نکلا یہ جان کر کہ اُن کے ملکہ کے محل تک پیدل راستہ دس منٹ کا ہے۔اپنی رفتار سے چل کر جب میں ملکہ کے محل تک پہنچا تو میں نے گیٹ پر کوئی دس آدمی کھڑے دیکھے ان میں ایک لیڈی بھی تھی۔یہ سارے یورپین انگریز ہیں البتہ ان میں ایک غیر انگریز غالباً ایشیائی باشندہ تھا۔مجھے اس کا بالکل گمان نہ تھا۔یہ سب ملکہ کے محل کے عہدیدار ہیں اور یہ میری آمد پر گیٹ پر میرے استقبال کے لئے کھڑے میری آمد کے انتظار میں ہیں۔انہوں نے مجھے ویلکم کیا اور ایک ایک کر کے میرے ساتھ شیک ہینڈ کیا۔

شیک ہینڈ کے دوران وہ اپنے نام اور عہدہ بتاتے رہے جب ایشیائی باشندہ سے ہاتھ ملایا تو انہوں نے سجاد حیدر کے نام کے ساتھ بیرو چیف پریس بتایا۔ اس جانکاری سے مجھے سکون جیسا ملا۔ یہاں گیٹ پر ہی پہلے ہماری گروپ فوٹو ہوا۔ اس کے بعد مجھے گیٹ کے اندر لایا گیا۔ میں نے سجاد حیدر کو اپنے ساتھ رہنے کو کہا۔ انہوں نے بتایا مجھے آپ کا گائیڈ کرنے اور میٹنگ میں ساتھ رہنے کی پہلے ہی ہدایت ملی ہے۔ یہ انکشاف میرے لئے سونے پر سہاگہ ہوا اس سے میری بڑی پریشانی دور ہوئی۔

مجھے ملکہ کے آفس روم تک پہنچا کر سبھی احباب واپس چلے گئے سجاد حیدر میرے ساتھ اندر آئے۔ یہاں اس وقت ایک سائیڈ میں ایک لیڈی کمپیوٹر پر کام کر رہی تھی اور ملکہ اپنی کرسی پر براجمان تھی۔ انہوں نے مجھے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہمارے دائیں جانب ایک الگ کرسی پر سجاد حیدر بیٹھ گئے۔ میں نے اندازہ کر لیا میرے ساتھ ملاقات کے لئے بطور ٹرانسلیٹر سجاد حیدر کو پہلے سے ہی مطلع کر کے بلایا گیا ہے۔ ایسا میرے ساتھ ایسے کئی ممالک میں ہوا ہے اور میں نے محسوس کر لیا بیرون ممالک میں اپنی مادری اور ملکی زبان میں بات کرنے کو فوقیت دی جاتی ہے۔ اس لئے ٹرانسلیٹر رکھا جاتا ہے چونکہ میری زبان کشمیری ہے البتہ اس کو اُردو ہم پلہ مانا جاتا ہے۔ چونکہ سجاد حیدر یہاں ان کے ادارے میں تعینات ہے ان سے استفادہ لیا گیا۔

ملکہ نے سب سے پہلے ہم سے کشمیر کے موجودہ حالات کے بارے میں دریافت کیا جس کی جو میں نے تفصیل مختصر طور بیان کی وہ سجاد حیدر کے ذریعے ملکہ تک پہنچ گئی۔ میں نے اندازہ کر لیا ملکہ کشمیر کی تحریک آزادی میں گن کلچر کو ناپسند کرتی ہے۔ اُن کا ماننا ہے اصل میں گن کلچر نے کشمیر میں تباہی مچائی انہوں نے اعتراف کر لیا کشمیر میں تحریک آزادی کو دبانے کے لئے انڈین آرمی نے زیادتی کی اور اس کا ہم نے سخت نوٹس لیا۔ انہوں نے میز پر رکھی ایک کتاب اٹھا کر مجھے دکھائی Kashmir Out reged اور بولی۔ یہ آپ نے لکھی ہے نا۔

میں نے اقرار کر لیا اور بتایا یہ کتاب میں نے اُردو لنگویج میں لکھی ہے اور اس کا انگریزی

ترجمہ پاکستان کے ریٹائرڈ ائیر مارشل ریاض خان نے کیا ہے۔اس کتاب کا جرمنی میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔میڈم نے مجھے اس کا جرمنی ایڈیشن بھی دکھایا اور بتایا۔میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے۔میں بڑی متاثر ہوئی اس کا سرکاری سطح پر نوٹس بھی لیا گیا۔انڈیا کی طرف سے ہمیں یقین دہانی ملی ہے۔اس معالمے کی تحقیقات کرائینگے۔میڈم نے مزید بتایا یہ کتاب پڑھ کر میں نے ذاتی طور پر آپ کو یہاں لانے اور ملاقات کا عندیہ دیا ہے۔مجھے آپ سے ملکر بڑی خوشی ہوئی آپ اپنے وطن اور اپنے عوام کے لئے جو قلمی کام کر رہے ہیں۔اس پر میں آپ کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔اتنا کہہ وہ خاموش ہو گئی اور اس کے ساتھ چائے کا دور چلا۔

واپس روانہ کرنے سے پہلے انہوں نے اپنا ذاتی کارڈ دیا اور بتلایا جب بھی آپ یورپ آنا چاہینگے۔آپ کو ویزا کے ساتھ ریٹرن ائیر ٹکٹ فری ملیگا آکر آپ ہمارے سرکاری مہمان ہوں گے۔

میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہوا حیدر نیچے گیٹ تک میرے ساتھ آئے اور مجھے گلے لگا کر رخصت کیا۔یہاں سے میں پیدل چل کر کشمیر سنٹر کی طرف روانہ ہوا۔یہاں پر اس وقت بیرسٹر عبدالمجید ترمبو کے ساتھ علی رضا،چوہدری ظفر احمد اور عبدالطیف بٹ بیٹھے تھے۔علیک سلیک کے بعد جب میں نے ان سے ملکہ روزمیری کے ساتھ ملاقات اور اُن کی طرف سے اُن کا دیا ذاتی کارڈ دکھایا تو مجھے بتایا گیا یہ یورپی یونین کی طرف سے بڑا اعزاز ہے۔بیرسٹر مجید ترمبو نے بتایا آپ کے اس اعزاز کا کریڈٹ ہم کو جاتا ہے۔ہم نے آپ کو یہاں دعوت پر بلایا ہے۔جب یہاں کے ایک اخبار میں کشمیر کے نامور رائٹر ہسٹارین اور جرنلسٹ پر لبریشن فرنٹ اور عوامی ایکشن کمیٹی کی طرف سے حملے کی خبر تفصیل سے پڑھی تو اپنے اس آفس کی لائبریری سے آپ کی دستاویز کا سیاسی انقلاب کو نکال کر رکھا گیا۔اس سے آپ کی یاد تازہ ہو گئی۔اس دوران جب کشمیر کے دونوں طرف کے زلزلے سے متعلق کانفرنس کا فیصلہ لیا گیا تو آپ کو اس کانفرنس میں شامل ہونے کا نام درج ہوا آپ سے فون پر اس کا اذن لیا گیا۔میں نے جواب میں کہا جب کسی خاتون نے فون پر

یورپ آنے کے لئے ہاں یا نامیں جواب مانگا گیا تو میرے ہاں کے بعد مجھے یہاں کی وزارت خارجہ کی طرف سے باضابطہ دعوت نامہ مل گیا۔ اس پر مجید صاحب ہطلانہ کہا یا اس کانفرنس کا معاملہ یہاں کی سرکار کے سامنے منظوری کے لئے پیش کیا گیا۔ انہوں نے اسکو قبول کرکے اس میں اپنی طرف سے بھی باہر سے گیسٹ لانے کا فیصلہ لیا ہوگا۔ کیونکہ ہم نے کانفرنس کی منظوری کے لئے باہر سے لانے والے گیسٹ کے نام درج نہیں کئے تھے۔ اس کا مطلب ہوا آپ بیک وقت کشمیر سنٹر کے ساتھ یورپی یونین کے بھی گیسٹ ہیں۔ یورپ کی ملکہ روزمیری کا بھی گیسٹ کیونکہ انہوں نے میرے ساتھ ملاقات کے دوران اسکاانکشاف کیا۔ یہاں کشمیر سنٹر پر میرا شام گئے تک قیام رہا اور پھر ہوٹل کی طرف روانہ ہوا

آج تک میرے یہ دو دن بڑے اہم اور تاریخی رہے۔ میرا یورپ کا دورہ میری تخلیقات کا اعجاز ہے۔ ان کی بدولت مجھے اتنا بڑا اعزاز اور انعام واکرام ملا۔ ہوٹل کے اپنے کمرے میں آکر صوفہ پر بیٹھنے کے بجائے ڈنلپ پلنگ پر دراز ہوا ف کوٹ اتار کر اسے صوفہ پر رکھا۔

Kashmir outragedاور کشمیر کا سیاسی انقلاب کے ساتھ مجھے کشمیر کی کہانی تصویروں کی زبانی کی یاد آئی جس نے مجھے دنیا کا سب سے بڑا اعزاز دیا۔ ایسا انعام دیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، سچ تو یہ ہے کہ یہ انعام لعل وجوہر سے بھی بڑا ہے۔ میں آپ کو بتا تا چلوں۔ 'کشمیر کی کہانی تصویروں کی زبانی' عربی ترجمہ پاکستان کے ایک نامور قلمکار اور دانشور الف دین ترابی نے کیا۔ اس کو عربستان کے ساتھ بعض مسلم ممالک کو بھیجا گیا۔ یہ سن ۱۹۹۲ء کی بات ہے۔ یہاں پر میں اس یادگار کو دوبارہ دہرا رہا ہوں۔

میں پاکستان میں قیام پذیر تھا۔ ورلڈ اسلامک فورم او آئی سی کی طرف سے ہمیں سعودی عربیہ کے دورے کی دعوت ملی۔ آزاد کشمیر کے وزیر اعظم سردار قیوم خان کی سربراہی میں ایک وفد سعودی عربیہ کے لئے روانہ ہونے کے لئے عمرہ کی ادائیگی کی نیت کی نہا دھو کر وضوع کر کے قبا پہن لیا۔ دو رکعت نفل نماز کی ادائیگی کے بعد اسلام آباد ہوائی اڈے سے ہماری چارٹر جہاز سے جدہ کے لئے روانگی ہوئی۔ جدہ کے ہوائی اڈے پر ہمارا استقبال گورنر مکہ اور ان کے

ساتھ آئے شاہی وفد نے استقبال کیا۔ ہوئی اڈے کے مہمان خانے میں ہم کو چینی پیالوں میں قہوہ اور پلیٹ میں کھجور پیش کئے گئے۔ ہمارا سردار قیوم خان کی سربراہی میں بارہ افراد کا قافلہ تھا۔ اس قافلہ میں معزز شخصیات میں پاکستان کے ریٹائرڈ ائیر مارشل ایاز خان بھی شامل تھے جنھوں نے میری کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور اسے برطانیہ اور یورپ کے ساتھ دوسرے کئی ممالک میں بھیجا ہے۔ اس انگریزی کتاب Kashmir outraged کا جب امریکہ میں چرچا ہوا تو امریکی کانگریس کے ایک اہم رکن Bartun نے اس کتاب کو امریکی کانگریس میں بحث کے لئے پیش کیا۔ چنانچہ اس کو بحث کے لئے منظور کر کے اس پر سیریل نمبر 1349 لگا دیا گیا۔ البتہ اس پر بحث ملتوی رکھنے کے لئے ہنری کسنجر کی لابی کامیاب ہوئی۔ اس پر ڈان برٹن اور ان کے دو ساتھی ممبران نے واویلا کیا۔ البتہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ کسنجر کی لابی طاقتور ثابت ہوئی۔ اس کے بارے میں واشنگٹن پوسٹ نامی اخبار میں پورے صفحے پر ایک کہانی شائع ہوئی یہ پورا صفحہ مجھے پوسٹ کے ذریعے میرے سرینگر کے گھر کے ایڈریس پر بھیجا گیا۔ بھیجنے والے کا نام S M Hali ہے۔ ظاہر ہے اگر امریکی کانگریس میں اس پر بحث ہوئی ہوتی تو یہ کتاب عالمی شہریت حاصل کر لیتی۔ بہر حال بات ہو رہی ہے۔ کشمیر کی کہانی تصویروں کی زبانی۔

جدہ ائیر پورٹ پر ہمارا پرتپاک استقبال ہوا اس کے بعد ہمیں ایک فرد کو ایک ایک کار میں بٹھا گیا۔ آگے آگے کاروان میں پائلٹ گاڑیاں آرمی فلیگ کے ساتھ کھڑی رہیں۔ ان کے بعد گورنر مکہ کی گاڑی گورنر مکہ کے ساتھ آنے والے چار میزبانوں کی کار گورنر مکہ کی کار کے پیچھے لائن میں رہیں اس کے بعد لائین میں سردار قیوم خان اور ان کے پیچھے ان کے وفد کی بارہ کاریں لائین میں لگانے کے بعد روانگی کی سائیرن بجائی گئی۔ مہمانوں کو کعبہ کے پاس سعودی شاہ کے ذاتی مہمان خانے پر پہنچایا گیا۔ یہاں ہمارے لئے ایک الگ الگ کمرہ بک کیا گیا تھا۔ مجھے میرے کمرے میں پہنچانے اور باہر لانے میں کھل جا سم سم کا معاملہ

میرے لئے پیش آیا اپنا اپنا سامان رکھ کر ہم نے سب سے پہلے عمرہ ادا کیا کے بعد شام گئے واپس مہمان خانہ پر آ گئے۔ سعودی شاہ کا یہ گیسٹ ہاؤس اندر سے یقیناً ایک محل ہے۔ اس محل کے کمرے شاہی خاندان کی پوری ترجمانی کر رہے ہیں۔ ان رہائشی کمروں سے منسلک واش روم کو اگر شیش محل کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا۔ اس شاہی محل کا ڈائننگ ہال دنیا بھر کی تمام نعمتوں سے مزین ہیں۔ دنیا بھر کے تمام میوے ان تمام میوؤں کا الگ الگ جاروں میں اُن کا رس دنیا بھر کی مٹھائیاں بیکری اور پکوان یہاں میسر ہیں۔ الغرض یہاں کسی بھی کھانے اور پینے کی شئے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ درجنوں قسم کی آئس کریم اور جلی موجود ہے۔ چکن اور میٹ کے درجنوں قسم کے سالن دستیاب ہیں۔ ہمارا یہاں دو دن اور دو رات کا قیام رہا۔ اگلے روز ہمیں او آئی سی کی کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے جدہ پہنچایا گیا۔ یہاں ایک وسیع اور دیدہ زیب پنڈل میں مسلم ممالک کی تنظیم او آئی سی کے ممبران کے ساتھ سعودی میں مقیم دیگر ممالک کے سفار تکار اہم شخصیات براجمان ہیں۔ کانفرنس کشمیر سے متعلق ہے۔

اس کانفرنس میں ہم نے اپنے ساتھ لایا تحریری مواد تقسیم کیا۔ اس میں میری کشمیر کی کہانی تصویروں کی زبانی فوکس ہوئی یہ سب سے زیادہ توجہ کا مرکز بنی اس کلیکشن پر سراہنا کی گئی۔ میرے ساتھ فوٹو کھینچے گئے۔ میری بڑی عزت افزائی اور آؤ بھگت کی گئی کہا جائے میرے ساتھ ہاتھ ملانے اور میرے ساتھ فوٹو لینے کی ایک لائین لگی تو غلط نہیں ہو گا۔ اس کانفرنس کے بعد ہماری واپسی مکہ کی طرف ہوگئی اگلے روز قیوم خان کی سربراہی میں وفد واپس پاکستان روانہ ہونے سے قبل گورنر مکہ سے رخصت لینے اُن کے افس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے وفد کو قہوہ پلا کر اور کھجور کھلا کر البتہ مجھے مکرر ایک ہفتہ تک مکہ میں قیام کرنے کو کہا۔ اس کے لئے انہوں نے اپنے دفتر سے فارم بھروا کر لایا اور اس پر اپنا سائین کر کے ایک کاپی مجھے حوالہ کی کیں مزید قیام کے لئے گورنر مکہ کی تحریری اجازت ضروری ہے۔ فارم فل کر کے فیس ادا کرنا پڑتا ہے۔ میں نے دیکھا گورنر مکہ نے اپنی جیب سے فیس کی رقم ادا کی مجھے اپنے ذاتی گیسٹ ہاؤس میں مزید قیام کے لئے یک پاکستانی اور ایک

عربی گائیڈ عربی کے ذریعے کار میں روانہ کیا گیا۔باقی سبھی ائیرپورٹ روانہ کئے گئے۔

گورنر مکہ کی ہدایت پر مجھے اگلے روز خانہ کعبہ کے اندرون کی زیارت کرائی گئی۔خانہ کعبہ کی اندرون زیارت کرانے کے لئے جب میں عارضی طور پر لگائی گئی سیڑھی پر چڑھا مجھے ایسا لگا میں فرش سے عرش کی طرف جارہا ہوں۔مجھے یقین نہ آیا۔میں خانہ کعبہ کے اندر جانے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔جب میں خانہ کعبہ کے اندر دو رکعت نماز نفل ادا کر کے واپس آیا تو سیڑھیوں سے اُتر کر میں فرش پر بیہوش ہو کر گر پڑا۔یہ میرے احساسات کی انتہا تھی مجھے اٹھا کر گیسٹ ہاؤس پہنچایا گیا تھا جہاں میں ہوش میں آیا۔یالایا گیا۔

دو روز آرام کرنے کے بعد مجھے ایک کار میں بٹھا کر مدینہ منورہ لایا گیا۔یہاں میرے ساتھ جو عربی گائیڈ تھا اس نے روضہ رسول ﷺ کے پاس کسی کے ساتھ ملاقات کی یہ میں نے دیکھا نہیں البتہ یہ ضرور دیکھا کوئی تین عربی احباب نے مجھے روضہ رسول اللہ حضرت محمد مصطفٰے ﷺ ابدی قیام گاہ کے پاس اُس مقام پر زیارت کرائی گئی جہاں پر انسان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔مجھے اُس تخت نما سیڑھی تک لایا گیا جس پر آنحضور ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دیا کرتے تھے۔میں نے اس کو دونوں ہاتھوں سے چھولیا یہ دونوں ہاتھ چہرے پر مل کر یہاں دو رکعت نفل نماز ادا کیا۔

مدینہ پاک میں دو دنوں تک قیام سرکاری گیسٹ کے ناطے یہاں مدینے کی تمام زیارت گاہوں کی زیارت کرائی گئی۔یہ سارا کچھ اُس کتاب کا اعجاز ہے جو 'کشمیر کی کہانی تصویروں کی زبانی کے نام سے میں نے مرتب کی ہے۔اس وقت برسلز کے گیسٹ ہاؤس کے ڈنلپ بیڈ پر دراز ہو کر مجھے وہ سارا کچھ یاد آیا۔جو یہاں پر اسلئے دہرا کہ ڈمکہ میری تخلیقات میرے لئے عزت شہرت، دولت کے ساتھ انعام واکرام کا باعث بن گئی ہیں۔ البتہ کشمیر میں نامساعد حالات نے انہیں اجاگر نہیں ہونے دیا۔

تین روز تک مدینہ منورہ میں قیام کے بعد واپس کعبہ شریف آیا۔تو میں نے پاکستانی گائیڈ کے ذریعے گورنر مکہ کو یہ پیام بھیج دیا میرے لئے او آئی سی کے منتخب ممبران کے ساتھ

ملاقات اور میٹنگ کا انتظام کیا جائے۔ مجھے دو دنوں کے بعد سعودی وقت کے مطابق نماز ظہر کے بعد کا وقت دیا گیا۔ نماز ظہر مجھے او آئی سی کے دفتر سے ملحقہ مسجد میں ادا کرنے کی ہدایت دی گئی۔

حسب وعدہ اور حسب پروگرام اس میٹنگ کا انعقاد ایک ایسے ہال میں ہوا جہاں کوئی ۲۵ کرسیاں گول میز کے گرد لگی لیکن صرف گیارہ کرسیاں پُر ہوئیں۔ سعودی عربیہ کے ساتھ یونائیڈ عرب امارت کویت، قطر مصر، شام، سوڈان، ملیشیا چونکہ مجھے دو دنوں کا وقفہ ملا تھا۔ میں نے کشمیر سے متعلق روداد تحریر میں ضبط کرلی تھی۔ میٹنگ شروع ہوئی تو میں نے یہ تحریر پاکستان کے گائیڈ نیب الرحمن کو پیش کی جنہوں نے اس کا عربی میں ترجمہ پڑھ کر سنایا۔

اس پر میری سیدھ میں بیٹھے او آئی سی کے سیکریٹری جنرل نے عربی میں جو فرمایا یعنی مجھے جواب دیا۔۔اس کا لب لباب یہی تھا مسئلہ کشمیر کا حل صرف باہم بات چیت میں مضمر ہے پراکسی وار اس کا حل نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم کشمیر کو ہندوستان سے لیکر پاکستان کو دیدیں سے ایک بڑا گھمبیر مسئلہ کھڑا ہوگا۔ اس کا براہ راست اثر ہندوستان میں مقیم مسلم آبادی پر پڑے گا۔ ہم ہندوستانی مسلمانوں کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے کشمیریوں کے لئے یہ بہتر رہے گا۔ وہ پراکسی وار کے بجائے صلح صفائی سے ہندوستان کے ساتھ تصفیہ کریں۔ اگر کشمیری عوام اور اُن کی قیادت ہندوستان کے ساتھ مصالحت کرانے کے لئے تیار ہیں ہم اس کے لئے راہ ہموار کرانے کے لئے تیار ہیں۔

او آئی سی کا یہ جواب لیکر میں نے واپس پاکستان آ کر وزیر اعظم نواز شریف کے سامنے یہ ساری روداد رکھی۔ اُن کا جواب لگ بھگ ایسا ہی تھا۔ ہمیں پراکسی وار پر امریکہ لتاڑ رہا ہے اور ریاست کو ٹررسٹ سٹیٹ ڈکلیئر کرانے کی دھمکی دے رہا ہے۔ ادھر برطانیہ اور یورپ سے بھی ہمیں جھاڑ پڑ رہی ہے۔ کیونکہ کشمیر کے فریڈم فائیٹروں نے غلط اور بے ہودہ اور ناقابل برداشت ایسے کام کئے اس سے فریڈم فائیٹر دہشت گرد کہلایا۔ دہشت گردی کسی بھی مذہب قوم اور مملکت کو قابل قبول، نہیں بعض بندوق برداروں کے غلط اور ناجائز کرتوت کا پوری

تحریک پر بُرا اثر پڑ گیا ہے۔ آج کوئی بھی ملک ہمارا اور کشمیریوں کا حمایتی نہیں رہا۔ لہٰذا بہتر یہی رہے گا آپ ہندوستان کے ساتھ کچھ لو کچھ دو پر مصالحت جو کرنکیں آپ صورت حال سے واقف ہو چکے ہیں لہٰذا آپ پاکستان میں مقیم حریت قائدین کی سکنڈ لائین کو ساری صورتحال بتا کر انہیں مصالحت کے لئے راضی کریں۔

آپ خود یہ کام کیوں نہیں کر لیتے میں نے نواز شریف سے پوچھا انہوں نے بتایا ہم نے ان کو سمجھایا مگر وہ اس کا غلط مطلب لے گئے۔ اُن کا یہ نظریہ ہے ہندوستان دیر سویر کشمیر کو چھوڑ دے گا۔۔ ہم حالات کو دیکھ کر مانتے ہیں ان کی یہ سوچ ناقص ہے اس حریت کانفرنس کی سکنڈ لائن کا مطالبہ ہے۔ پاکستان کی آرمی اس پراکسی وار میں شامل ہو جائے جبکہ ہمارا ماننا ہے ہم دوبارہ ہندوستان کے ساتھ جنگ میں ملوث نہیں ہوں گے۔ اور پاکستان کا براہ راست اس جنگ میں اترنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

"کیا ہم یہ مان لیں۔۔۔۔ پاکستان کھلے بندوں جو حق خود ارادیت کا دعویٰ کر رہا ہے سلامتی کونسل کی قرار دادوں پر عمل کرانے کا فتویٰ دیتا ہے۔ یہ سب سراب ہے دھوکہ ہے بہتان ہے جبکہ سرکار کی کشمیر پالیسی کچھ اور ہے اس شکوہ پر نواز شرف سر جھکا کر خاموش رہے۔ میں مقرر ہوا۔

"میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں پاکستان کی کشمیر پالیسی کشمیریوں کے لئے موت کے سوا کچھ نہیں وہاں جو قتل وغارت ہو رہی ہے اس کے ذمہ دار آپ اور پاکستان کی سرکار ہے۔ میں اللہ حافظ کر کے آج اور ابھی کشمیر واپس جارہا ہوں۔

میں نے یقیناً ایسا ہی کیا۔ وزیر اعظم کے دفتر سے نکل کر اپنی عارضی رہائش گاہ پر آیا اور روانگی کا سفر شروع کیا۔ میں نے کشمیریوں کو حق خود ارادیت اور الحاق پاکستان کے نام پر قربان کرنے والوں کو خیرباد کہہ دیا

یہ سارا کچھ جو مجھے برسلز کے ایک ہوٹل کے بیڈ پر یاد آیا سے مجھے ایک جھٹکا لگا۔ میں نے دیکھا اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں۔ میں پاکستان میں ایک سال تک ساری

داستان روزانہ ڈائری کے طور پر لکھی ہے اور اسے کتابی صورت میں' جو۔ کہوں گا سچ کہوں گا۔۔۔'' کے عنوان سے شائع کی ہے جس نے بھی یہ کتاب پڑھی اُس نے مجھے صحیح سالم اور زندہ دیکھ کر حیرت واستعجاب کیا۔

صبح دس بجے کے قریب کشمیر سنٹر کے پرزیڈنٹ علی رضا سید ہم سے ملنے آئے۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ میں بغیر کچھ پوچھے بنا ان کے ساتھ ہولیا۔ اپنی کار میں فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر انہوں نے خود ہی بولا۔۔۔ میں یہاں برسلز میں اپنا گھر تعمیر کرا رہا ہوں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کام کدھر پہنچا۔ جانے کا ارادہ کر لیا تو خیال آیا کیوں نہ آپ کو بھی وہاں ساتھ لے چلوں۔!

" کیا آپ نے یہاں یورپ کی سٹیزن شپ حاصل کر لی! انہوں نے اقرار کر لیا اور بتایا' کشمیر سنٹر کے ساتھ وابستہ اکثر احباب نے یہاں کی شہریت حاصل کر لی ہے۔ کسی کسی نے مکان بھی بنائے یا خریدے ہیں۔ لگ بھگ ہم سب کی فیملی ساتھ ہے۔ کسی کسی کے بچے یہیں جنم ہوئے ہیں۔ میرے یہاں برسلز سے لیکر بلجیم تک کوئی پندرہ ورک شاپ ہیں البتہ یہاں گاڑیوں کے مرمت کا کام بہت کم ہوتا ہے۔ اکثر لوگ پرانی گاڑی یا گاڑی میں نقص پیدا ہونے پر مرمت کرانے کے بجائے نئی گاڑی لانا پسند کرتے ہیں ہمارے ورک شاپوں میں گاڑیوں کے دھونے کا زیادہ کام رہتا ہے۔ گاڑی دھلوانے کی ان کی حابی ہے۔ باتوں باتوں میں علی رضا سید نے مجھے چلتے چلتے اپنے پانچ ورکشاپ دکھائے ایک ورکشاپ پر انہوں نے کھڑے کھڑے ملازموں کے ساتھ بات کی اور چلتے چلتے لیکر ایسی شاہراہ پر آئے جہاں کوئی ایک میل تک برلب سڑک قسم قسم کی کاروں کی ایک لائین لگی ہے۔ مختلف رنگوں اور مختلف ماڈلوں کی یہ کاریں جو سینکڑوں کی تعداد میں یہاں پارکنگ کے طور رکھی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں سید صاحب نے بتایا یہاں کے انگریز پرانی گاڑی یا تھوڑا سا نقص والی گاڑیاں یہاں رکھ چھوڑتے ہیں اور دوسری نئی ماڈل کی گاڑیاں لاتے ہیں۔ یہ جو یہاں میلوں تک گاڑیوں کی لائین لگی ہے۔

اب بیکار ہیں کوئی ان کو لینے والا نہیں۔ ہاں اگر کوئی بیرون ملک کا باشندہ جس کو یہاں کی شہریت ملی ہو اور یہاں اُس کا رہائشی مکان ہو وہ آ کر کوئی بھی گاڑی پسند کر کے مفت لے سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ گاڑی کا نمبر لیکر ٹریفک ڈیپارٹمنٹ سے گاڑی کے مالک کا ایڈریس لیکر اُن سے گاڑی کی چابی حاصل کرے۔ گاڑی کا مالک اُن سے نام و پتہ اور سکونت کے ساتھ گاڑی کی رسید لیتا ہے تا کہ کسی قسم کی ٹریفک خلاف ورزی کا وہ خود ذمہ دار ہو گا۔ بیرون ممالک سے آ کر یہاں بسنے والے یہاں آ کر اپنی پسند کی گاڑی پورے لوازمات کے بعد اٹھا لیتے ہیں۔

کافی مسافت طے کرنے کے بعد ہم وہاں تک پہنچے جہاں سید صاحب کا اپنا نیا گھر بن رہا ہے۔ میں نے دیکھا یہاں پورے علاقے میں رہائشی مکانوں کے تعمیراتی کام جاری ہے۔ اس سے اندازہ ہوا یہاں اس علاقہ میں نئ بستی بسائی جا رہی ہے۔ اس پر سید صاحب نے بتایا۔۔۔ یہاں کی سرکار نے ہمیں رہائشی پلاٹ الاٹ کئے ہیں۔ سید صاحب نے کاریگروں کے ساتھ تھوڑی دیر تک صلح مشورہ کیا اور پھر واپسی کا سفر شروع کیا۔ آج اب تک جو دیکھنے سننے میں ایک عجوبہ سا تھا۔ وہ قیمتی رنگ اور مختلف ماڈل کاروں کا حال بے حال ہے۔

ہاں۔۔! یہ بتا تا چلوں، گزشتہ روز پارلیمنٹ کے کانفرنس ہال میں میری جو عزت افزائی ہوئی، انعام و اکرام سے مجھے نوازا گیا۔ اس کا یہاں برسلز کے ساتھ عالمی سطح کے بعض ممالک کی طرف اس کی پریس اور میڈیا کے ذریعے کوریج سے میں ایک طرح سے چرچے میں رہا۔ چنانچہ کانفرنس ختم ہونے کے بعد پریس اور میڈیا کی طرف سے غالباً میرا اتہ پتہ معلوم کیا گیا ہو گا۔ کیونکہ جب میں علی رضا سید کے ساتھ واپس ہوٹل آیا تو یہاں مجھے نگران گائیڈ نے کونٹر پر لایا اور پریس و میڈیا کے وفود کے کارڈ اور ہاتھ سے لکھی گئی پرچیاں پیش کیں۔ ان میں ملاقات اور انٹرویو کے لئے وقت مانگا گیا ہے۔ میں یہ کارڈ اور سلپ لیکر اوپر اپنے کمرے میں آیا اور سوچنے لگا۔۔۔ کیا کیا جا ئیگا ٹائم مانگنے والوں کو ٹائم دیا جائے اور انٹرویو لینے والوں کو 'ہاں ،، کیا جائے۔ کارڈ اور سلپ کے مطابق یہ سبھی احباب فائینرس

کے ساتھ اشیا کے احباب ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب ہم سے کشمیر کے حالات کی جانکاری حاصل کرینگے اور میرے خیالات اور نظریات کا بھی احاطہ کریں گے۔ اس سے ایک کنٹروسی پیدا ہو گی ویسے انکار بھی ٹھیک نہیں رہے گا کیا جائے۔۔۔؟ جب کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو سکا تو خود کو صوفہ پر دراز کیا۔

اگلے روز صبح سویرے ۹ بجے سے قبل یہ سبھی پریس اور میڈیا کے کارندے ایک گروپ کی صورت میں میرے کمرے میں داخل ہوئے میں ہکا بقا سارہ گیا۔ اب بھاگنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی اور یہ جاننے میں ذرا بھی دیر نہ لگی ان سبھی احباب کو میرے نگران گائیڈ اور ہوٹل کے منیجر نے اوپر جا کر ہم سے ملنے کی اجازت دی ہو گی۔ کیونکہ جب سے میں بحیثیت ایک سپیشل گیسٹ کے طور پر قیام پذیر ہوا یہاں کی سرکار نے میرے لئے یہاں ایک نگران گائیڈ کی تعیناتی عمل میں لائی اس کو کونٹر کے پاس ڈیوٹی دینے کے لئے الگ سیٹ مہیا کی گئی ہے۔ اس نگران گائیڈ کی ڈیوتی بدلتی رہتی ہے۔ ہم سے ملنے کے لئے جو بھی کوئی آتا ہے اس کو پہلے نگران گائیڈ سے ملکر اجازت لینا پڑتی ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی مجھے اپنے ساتھ سیر سپاٹے یا کہیں اور لیجائے اس کو بھی باضابطہ اجازت لینا پڑتی ہے کہاں لیجانا ہے یہ سب نوٹ کرانا پڑتا ہے۔ میرے اس غور و خوض کے دوران کمرے میں کیمرے فٹ کئے گئے اور ہم سے سوالات شروع ہو گئے۔ مجھ سے پہلے میرا بایو ڈاٹا نوٹ کر لیا گیا۔ میری اب تک منظر عام پر آمنے والی تصانیف کو نوٹ کر لیا گیا۔ اس کے بعد ہم سے کشمیر کے حالات اور مسئلہ کشمیر کا پس منظر و پیش منظر کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ انہوں نے ہم سے کیا پوچھا اور ہم نے انہیں کیا بتایا اس کا یہ نچوڑ سامنے آیا۔ یعنی ہم کو کیا سمجھایا گیا۔ کشمیر کی تحریک آزادی نے جو موڑ لیا ہے اس کا انجام بُرا ہے۔ بندوق برداروں کی طرف سے روبیہ سید کو اغوا کرنا کشمیری خواتین کو نقاب پہننے کے لئے مجبور کرنا اور ان کے چہروں پر ایسڈ پھینکنا کرانا اور شراب کی دکانوں کو لوٹنا فروعی مسائل میں الجھنے سے اس تحریک پر دہشت گردی اور انتہا پسندی کی لیبل لگی ہے۔ اس لیبل کی نہ کوئی حمایت کر سکتا نہ مدد دے سکتا ہے۔ کشمیری بندوق

برداروں نے اپنی کار کردگی اپنی کارروائی سے آزادی کا مطالبہ خود اپنے ہاتھوں ختم کر دیا ہے۔لہٰذا اب گن کلچر جاری رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔لہٰذا بحیثیت رائٹر ہسٹارین اینڈ جرنلسٹ میرا فرض بنتا ہے کہ میں بندوق برداروں کو سمجھادوں تم نے تحریک آزادی کا جو بیڑہ غرق کرنا تھا وہ کر دیا۔اب کشمیری عوام کو بخش دو اور انہیں جینے کا حق اپنے کرتوت سے بیرون ممالک کی حمایت کھودی۔

میں نے ان کا یہ سجھاؤ قبول کرالیا کی نصیحت مان لی البتہ انہیں بتایا آپ تمام بندوق برداروں کو موردالزام نہیں ٹھہرایا۔چند غلط عناصر نے غلط کام کر کے اگر معاملہ بگاڑ دیا تو پوری تحریک موردالزام ٹھہرانا درست نہیں۔بس یہ جان لیا جائے ایک گندی مچھلی نے سارا تالاب گندہ کر دیا۔البتہ اس ساری صورتحال کے لئے جو ذمہ دار ہے جس نے محض اپنا اقتدار بچانے کے لئے گن کلچر کو جنم دیا۔فوج سزا اور پولیس سے قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا اُس کو آپ سزا کے بجائے جزا دیتے ہیں۔فاروق عبداللہ کو آپ انعام کے طور عوام پر مسلط کرا رہے ہیں یہ کہاں کی انسانیت ہے کونسی دانشمندی ہے۔جلتی پر پانی ڈالنے کے بجائے تیل ڈالا جارہا ہے یہ کونسا طریقہ کار ہے۔سرکار کو بھی چاہئے وہ اپنا طریقہ بدل دے۔

اس قسم کے سوال اور جواب میں کافی وقت گزر گیا۔دن کے کوئی ایک بجے انہوں نے اپنا سامان پیک کیا۔

پریس اور میڈیا کے اس گروپ جس میں مغربی ایشیائی اور میڈل ایسٹ کے نمائندے اور فوٹو جرنلسٹ شامل تھے۔ان کے واپس جاتے ہی میں ان کے سوالات ان کی شکایات اور ان کے مطالبے پر خود سے غور وخوض کرنے لگا اور مجھے اس بات کا اعتراف کرنا پڑا بعض بندوق برداروں کی غلط اور ناقص سوچ اور اپروچ سے الٹا گن کے ناجائز استعمال میں ہماری تحریک آزادی نہ صرف پٹری سے اُتر گئی بلکہ یہ ایک ایسی کھائی میں جا گری ہے جہاں سے اسے نکالنا ناممکنات میں ہے۔ہم سے تحریک آزادی اور کیبن میں روبیہ سعید نامی لڑکی کو اغوا کرنا عورت ذات کے ساتھ اغوا کاری جیسا ظلم اور جبر کے زمرے میں لایا گیا۔

سنیماؤں کو بند اور شراب کی دکانوں کو توڑ پھوڑ کرا کے بند کرانا نتہا پسندی مانا گیا۔ خواتین کی جبری طور پردہ کرانے کے لئے ان پر ایسڈ ڈالنا دہشت گردی سے تعبیر کیا گیا۔ اس کے ساتھ فروعی اور گھریلو مسائل میں الجھ کر من مانے فیصلے حق انسانی کی پامالی سے جوڑا گیا۔

باقی جو بچا تھا وہ پروفیسر مشرالحق کو اغوا کر کے روزہ کی حالت میں قتل کرنا ایسا جرم ثابت ہوا اس پر امریکی صدر بل کلنٹن کو ہندوستان کی پارلیمنٹ کی چیرپرسن نجمہ ہفت اللہ کے سامنے کہنا پڑا اس بہیمانہ قتل پر آزادی مانگنے والوں کو بربادی ملے گی۔ اس ساری کارروائی سے ہم پوری دنیا کی حمایت سے محروم ہو گئے۔ ہم یکہ و تنہا رہ کر اُن خطاؤں کی سزا بھگتتے رہ گئے۔ جن کو ہمارے بندوق برداروں نے خود اپنے لئے مول لے لیا۔ کشمیر کا فریڈم فائیٹر اپنے کرتوت سے دہشت گرد اور انتہا پسند بنکر ملکی اور عالمی سطح پر حمایت سے محروم ہو گیا۔

اس سارے پس منظر میں دیکھا جائے تو کشمیری عوام نے شیخ محمد عبداللہ کے جانشین فاروق عبداللہ کو اُن کے ۱۹۸۷ء کے اسمبلی الیکشن کے پروسس پر ڈاکہ ڈال کر جس گن کلچر کو جنم دیا اس گن کلچر کے عوض نیشنل کانفرنس اور دوسری تمام مین اسٹریم جماعتوں کو ان کے اہل و عیال کے ساتھ ملک بدر ہونا پڑا ۱۹۹۰ء کی ابتدا سے لیکر ۱۹۹۶ء تک کشمیر واقعی آزاد ریاست بن گئی۔ پوری مین اسٹریم کا راہ فرار گن کلچر یا پراکسی وار کو اس کا کریڈٹ ملا۔ کیونکہ وادی کشمیر میں ان کے نیست و نابود ہونے سے وادی کشمیر قوم دشمنوں سے آزاد ہوئی۔

البتہ ۱۹۹۶ء میں جب مین اسٹریم واپس آئی اور فاروق عبداللہ کی قیادت میں نیشنل کانفرنس نے دوبارہ اقتدار سنبھالا تو یہ تحریک آزادی کے ساتھ پراکسی وار تھی کیا اب نہ آزادی کی مانگ کا جواز تھا نہ پراکسی وار جاری رکھنے کی کوئی ضرورت تھی۔ اس دوران ہمیں ہندوستان سرکار کے ساتھ تصفیہ کرانے کے کئی موقعہ فراہم لیکن حریت قائدین حالات اور واقعات سمجھنے سے قاصر رہے۔ الحاق پاکستان کا بھوت جو حریت قائدین کے ذہنوں پر سوار رہا۔ اس سے انہوں نے بھارت سرکار کے ساتھ تصفیہ کا موقعہ گنوا دیا۔ اس بارے میں پاکستان میں مسلم لیگ (ن) کی قیادت میاں نواز شریف بڑے ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے خود

یہ مان کر کہ نہ ہم ہندوستان کے ساتھ ایک اور جنگ کے متحمل ہو سکتے ہیں نہ ہی ہندوستان سے کشمیر کو چھڑا سکتے ہیں۔ عالمی سطح پر ہمیں کوئی حمایت نہیں مل رہی ہے۔ لہٰذا ہندوستان کے ساتھ کچھ لو اور کچھ دو پر تصفیہ اس کیا بات اور نظریہ کو میرے ساتھ شیئر کرنے کے باوجود انہوں نے پراکسی وار جاری کیوں رکھا اُن کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ انہوں نے دھوکہ کی سیاست چلا کر کشمیری عوام اور جوانوں کو مروانے کا سلسلہ جاری رکھ کر جو مجرمانہ فعل انجام دیا۔ اس پر میں نے انہیں خود جھاڑ پلائی اور اظہار ناراضگی کے طور پر میں نے پاکستان کو خیرباد کہہ دیا۔

یاد رہے میں مئی ۱۹۹۰ء سے لیکر مئی ۱۹۹۲ء تک پاکستان میں بحیثیت مہاجر مقیم رہا۔

جب میں نے دیکھا پاکستان کے حکمرانوں کی 'کشمیر پالیسی' غلط اور بے بنیاد ہے اور اس سے خون خرابے کے سوا کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں تو میں نے وزیراعظم نواز شریف سے ہوٹل اسلام آباد میں آخری ملاقات کے دوران کشمیری عوام کے قتل کا مجرم ٹھہرایا۔ اس کے بعد اپنا بوریا بستر باندھ کر پاکستان سے واپس چلا آیا۔

میرا ہندوستان سرکار سے یہ بڑا اختلاف رہا۔ انہوں نے گن کلچر کے موجد کو سزا دینے کے بجائے جزا دی۔ محض اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے فاروق عبداللہ نے جس گن کلچر کو جنم دیا وہ سزائے سخت کا مرتکب تھا۔ اُسے دوبارہ حکمران بنا کر کشمیری عوام کے ساتھ ظلم و جبر اور قہر کیا گیا۔

البتہ ہم کشمیریوں کے ساتھ ہندوستان کی سرکاروں نے جو ظلم جبر اور قہر کیا اس کے ہم مستحق ٹھہرے ہیں۔ کیونکہ ہم کشمیریوں نے شیخ محمد عبداللہ جیسے غدار کو جھوٹے دھوکے باز اور مکار کو اپنا لیڈر مان کر اُن کی عبادت کی حد تک پیروی کی اور ان کے ساتھ اُن کے پورے گھرانے کی وفاداری اور تابعداری کی اس کا باری تعالیٰ نے ہم سے وہ بدلہ لیا جس کے ہم یقیناً مستحق ہیں۔

ان تمام حالات اور واقعات کو سمیٹ کر میں نے لنچ کے لئے ڈائننگ ہال جانے کا فیصلہ

کرلیا۔۔۔۔لنچ کے بعد میں کشمیر سنٹر روانہ ہوئے پر پہنچ کر دیکھا یہاں بیرسٹر عبدالمجید کی بیوی اوران کے ساتھ ان کے دو لڑکے بھی آئے ہیں۔ یہاں اس وقت لنچ کا دور چل رہا۔ میں نے اس میں شامل ہونے سے انکار کر کے بتایا۔ میں ابھی لنچ کر کے آیا ہوں۔ اتنی دیر تک میں یہاں کی لائبریری میں گیا۔ کتابوں اور میگزین کو ایک ایک کر کے اٹھا کر ان کا نام اور حلیہ دیکھ کر اپنی اپنی جگہ رکھتا ایسی کتاب کی تلاش میں رہا جو اپنے ساتھ لیکر ہوٹل میں سونے سے قبل مطالعہ میں لاسکوں۔۔ یاد رہے میرا یہ برسوں سے معمول رہا ہے جب دن کو چھوڑ کر رات کو سونے سے قبل میں کسی کتاب کا مطالعہ نہ کروں مجھے نیند نہیں آتی۔ لنچ کے بعد مجید صاحب اپنی بیوی بچوں کو لیکر اپنی گاڑی میں کہیں گئے۔ میں نے شام گئے تک یہیں قیام کیا۔ یہاں پر آج پہلی بار ایک نئے بندے کو دیکھا صحت مند کے ساتھ قد آور بھی ہے۔ اس کو میں نے ایک علیحدہ جگہ پر بیٹھ کر خود سے باتیں کرتے دیکھا تو میں نے خالد محمود سے پوچھا، یہ بندہ کون ہے؟

انہوں نے بتایا یہ تسلیم احمد ہے۔ پاکستانی ماں باپ کا بیٹا ہے اس کا جنم یہیں بلجیم میں ہوا ہے۔ مجید صاحب کا چاہتا ہے۔ اکثر یہاں آتا رہتا ہے۔

" کیا یہ دماغی طور صحیح ہے۔۔۔ خود سے باتیں کیوں کر رہا ہے میں نے پوچھا تو خالد محمود زیر لب مسکرایا اور بتایا۔ یہ خود سے نہیں اپنی گرل فرینڈ سے باتیں کر رہا ہے۔ اس کی گرل فرینڈ بلجیم میں ہے اُسی کے ساتھ بات کر رہا ہے۔

لیکن اس کے پاس نہ فون ہے نہ کنکشن ہے۔ دونوں ہاتھ بندھے ہیں۔

اس پر خالد محمود نے بتایا اس کے کوٹ کے اندر کی جیب میں ایک آلہ لگا ہے۔ اسی آلہ کے ذریعے اس کی بات اس کی گرل فرینڈ تک پہنچتی ہے۔ وہاں سے اس کو اسی آلے کے ذریعے جواب ملتا ہے۔

"لیکن ان کے کانوں میں کچھ بھی نہیں لگا ہے۔ یہ سُنتا کیسے ہے۔۔؟

یہ کنٹری الیکٹرانک کے بارے میں کافی نہیں بلکہ بہت اڈوانس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

آپ یہاں کچھ کچھ نیااور عجوبہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔پہلے پہلے ہمارے ساتھ بھی ایسا ہوا ہے۔

انہوں نے بتایا یورپ کی دنیا یقیناً ایک الگ دنیا ہے۔یہ ایشیاء سے بالکل مختلف ہے۔ یہ بالکل ایک آزاد قوم ہے۔ان کی سوچ اور اپروچ آزاد ہے۔ان کا رہن سہن الگ ہے۔ان کا کھانا پینا مختلف ہے۔ان کا سیکس کھلے عام ہے۔یہ اپنی زندگی کا بھرپور اور بنا کھٹکے لطف اٹھاتے ہیں۔انجوائے کرتے ہیں۔چلئے آپ میرے ساتھ میں آج آپ کو گنجان آباد بستیوں میں لے جاؤں گا۔ کیونکہ یہاں جہاں ہم رہتے ہیں یہ امیر ترین یعنی پلاشئی ہے۔ایک طرح سے یہ خاموش علاقہ ہے۔

ہم دونوں باہر آئے کار پارک تک پیدل چل دئے۔میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا خالد محمود نے کار سٹارٹ کرکے اس سے دوڑا دیا۔

کوئی بیس کلومیٹر فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم واقعی ایک گنجان آباد بستی میں آگئے۔ہم راستے میں سڑک کے دونوں جانب دکانیں شاپنگ کمپلیکس ریسٹورنٹ اور ہوٹلوں کی بہتات دیکھی جوان جوڑوں کو انجوائے کرتے دیکھا بے بزرگوں کو وائن اور گٹار ہاتھوں میں لیکر بجاتے دیکھا۔ کسی کسی کو ہاتھ میں چھتری لیکر چلتے مجھے بتلایا گیا یورپ میں موسم کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کب یہ اپنا رخ بدلے گا۔اس کی اطلاع پہلے سے ہی نہیں دیتا۔اس وقت آپ جو یہ دھوپ کے ساتھ موسم خوشگوار دیکھ رہے ہیں یہ کسی بھی وقت اپنا موڈ تبدیل کرے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے بارش برسائے گا۔اگرچہ یہ بارش زیادہ دیر تک نہیں رہتی پیدل چلنے والوں کو نہاتی ضرور ہے۔

ہاں! مجھے خود بھی کئی بار اس کا سامنا کرنا پڑا ہے میں نے خالد محمود کی اس بات کی تائید کی۔ہم ایک سہ راہے پر پہنچ گئے۔یہاں ایک سائڈ میں سٹیج کھڑا کیا گیا ہے۔مختلف اقسام کے ساز وامان لیکر ساز اور سنگیت سے سامعین کا دل بہلایا جارہا ہے۔ سٹیج کے سامنے راہ چلتے لوگ یہاں رک جاتے ہیں اور اس ساز و سنگیت سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔اس قسم کے سٹیج

جہاں سازاور سنگیت سے خود کو محفوظ اور سامعین کو لطف اندوز کیا جارہا ہے کوئی پچاس میل کے دائرے میں بے شمار دوراہے۔ سہ راہے اور چوراہے پر دیکھنے کو ملے۔ راستے بھر چلنے والے اور واحد فرد کو بھی گٹار یا وائیلن لیکر اپنی مستی میں دیکھا۔ ایک بستی سے باہر نکل کر ہم کو کئی کوٹھیاں دکھائی گئیں اور بتایا گیا یہ کوٹھیاں بلجیم کے قحبہ خانے ہیں۔ یہاں ملکیوں کے ساتھ غیر ملکی اور خاص طور پر عربی سرمایہ دار آتے ہیں اور انجوائے کر کے جاتے ہیں۔ راستے بھر چلتے دوڑ بھاگتے مجھے بلجیم کی تاریخی عمارتیں دکھائی میوگیزیم باہر سے ہی دیکھے یقیناً دنیا کی رنگینی دیکھہات کو دیر سے واپس آ گئے۔ چونکہ واپسی پر ڈنر راستے میں ہی اکیلی نے فریج سے ایک جوش کی بوتل نکال کر ایک گلاس نوش کیا اور بیڈ پر آ گیا۔

بطور سرکاری مہمان میرے فائیو سٹار ہوٹل میں دس دن پورے آج ہوئے صبح نو بجے میرا یہاں اس ہوٹل سے چاک اوٹ ہونا گا نے ناشتہ کے بعد سامان پیک کر کے رکھا پورے نو بجے Garary Taitly اپنے اردلی کے ساتھ آئے۔ مجھے اس گیسٹ ہاؤس سے لیکر کشمیر سنٹر چھوڑ آ کیونکہ یہ پہلے ہی طے ہو چکا تھا۔ شبنم قیوم کم سے کم پانچ روز تک اور زیادہ سے زیادہ جتنے دنوں تک وہ خود چاہئے گا کشمیر سنٹر میں قیام کرے گا۔ میں نے ذاتی طور پر صرف مزید پانچ روز تک کشمیر سنٹر میں قیام کرنے کی حامی بھر لی تھی۔

چنانچہ سرکاری مہمان کو کشمیر سنٹر کے ارباب اختیار کو حوالہ کر کے سرکاری میزبان واپس چلدیئے۔ جاتے جاتے مجھے گلے لگایا گیا اور شیک ہینڈ کر کے گڈ بائی کیا۔

کشمیر سنٹر میں میرا اس بلڈنگ کی دوسری منزل میں بیڈ روم الاٹ کیا گیا۔ کل رات کو ڈائریکٹر ایشیاء واچ عبد الطیف وانی واپس پاکستان روانہ ہو چکا ہے۔ اس کی مجھے یہاں اطلاع فراہم کی گئی۔

اب اگلے پانچ روز کے لئے میں کشمیر سنٹر مکمل طور منتقل ہوا تو مجھے اس بات کی جانکاری ملی کشمیر سنٹر کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر بیرسٹر عبدالمجید ترمبو اور اس سنٹر کی پوری لابی آج کل نہ صرف برسلز اور بلجیم میں بلکہ یورپ کے دوسرے ممالک میں بھی کشمیر کے دونوں خطوں کے زلزلہ

سے متاثرین کے لئے امدادی رقومات چندہ کی صورت میں جمع کر رہے ہیں اور چندہ کی نسبت وصولیابی کی فہرست روزانہ کے طور پر درج کراتے ہیں اور اس کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کروڑوں میں رقومات جمع کرانے کا گوشوارہ شائع کرایا ہے۔

کشمیر سنٹر میں میرا منتقل ہونے کا یہ دوسرا روز تھا۔ شاہجہان میر نے میرا یہاں ایک کشمیری سے بلکہ میرے آبائی علاقہ کے ایک بندے سے ملاقات کرائی۔

محمد اشرف شورہ جو گگریبل سرینگر کشمیر کا باشندہ ہے جو بلجیم میں بزنس کے سلسلے میں مقیم ہے۔ انہوں نے میرے بارے میں خبر سنکر ہم سے ملاقات کا ارادہ کرلیا ہے۔ میرا آبائی گھر بوچھوارہ سرینگر میں رہا ہے۔ بوچھوارہ اور گگریبل دو پڑوسی محلے ہیں۔ محمد اشرف شورہ میرا جانا پہچانا ہے۔ ہم سے یہاں ملاقات ، پرانی یادوں کو جلا بخشتا ہے۔ شورہ صاحب مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ملے انہوں نے بتایا دس سال بیت گئے۔ میں بلجیم آکر یہیں بس گیا ہوں۔ میرے ساتھ میری بیوی اور بچے بھی ہیں۔ میں کشمیر سے ہینڈی کرافٹ اور پیپر ماشی کے اشیاء منگواتا ہوں۔ یہاں میرا کاروبار ٹھیک چلتا ہے کشمیر جانے کا ابھی ارادہ نہیں حالات اجازت نہیں دیتے۔

محمد اشرف شورہ نے مجھے بتایا میں کل سویرے پیرس جارہا ہوں۔ وہاں میرا ایک ساتھی عبدالرحیم بتکو رہتا ہے۔ اُس نے مجھے کسی ضروری کام کے لئے بلایا ہے۔ اگر آپ چاہیں گے تو آپ کل سویرے میرے ساتھ پیرس آئیں گے۔ میں نے حامی بھر لی اُس نے صبح سویرے آکر مجھے اپنے ساتھ پیرس لینے کا اجازت نامہ کشمیر سنٹر سے حاصل کرلیا۔

حسب پروگرام اپنے وقت یعنی صبح سات بجے ہم پیرس کی طرف روانہ ہوگئے شورہ اکیلا اپنی گاڑی میں آیا اور مجھ کو اپنے ساتھ لے گیا۔

اب کی بار اگرچہ سفر کی روانگی مختلف روٹوں پر تھی البتہ وہی رنگ وروپ وہی حلیہ وہی رکھ رکھاؤ وہی دوڑ دھوپ وہی انجوائے نیز زندگی کی واپسی رفتہ رفتہ شام کے کوئی چھ بجے ہم عبدالرحیم بکتو کے گھر میں داخل ہوئے یہ تو نہ دہ پیرس میں کس علاقہ میں بود وباش ہے اس کی

جانکاری مجھے پہلے ہی دی گئی تھی۔ ہم یہاں دوسری منزل کے ایک فلیٹ میں داخل ہوئے عبدالرحیم بکتو جو سرینگر میں جھیل ڈل کے ایک محلے کا باشندہ ہے۔ یہاں بزنس کے سلسلے میں مقیم ہے۔ اس نے یہیں پیرس کی ایک خاتون سے بیاہ رچایا ہے۔ ان کی شادی بیاہ کو چھ سال ہو چکے ہیں۔ کوئی بچہ تولد نہیں ہوا ہے۔ یہ دونوں میاں بیوی اس فلیٹ میں سکونت پذیر ہیں۔

محمد اشرف کے ساتھ ایک کشمیری اور وہ بھی ناموراتی کدل بوچھوارہ ڈلگیٹ کا سکین جان کر میری بڑی پزیرائی کی، گھشیاں مجھ پر نچھاور کر دی گئیں۔ انہوں نے مہمان جان کر اپنی بیوی کو بازار سے کچھ مزید لانے کے لئے بھیجا نے خود کچن میں جا کر آملیٹ بنانے کے لئے فرے پین میں گھی ڈال کر گیس پر رکھا اور ہمارے پاس آ کر گپ شپ میں شامل ہوا۔ ہم تینوں آپس میں حال واحوال کی جانکاری حاصل کر کے گفتگو میں مشغول تھے کہ اچانک اس کمرے کی چھت سے ایک چین چیختے چلاتے اویزان ہو گئی۔ عبدالرحیم بڑی پھرتی سے کھڑا ہو کر دوڑتے ہوئے کچن میں گیا۔ گیس کیونکہ کیفرے پین سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ انہوں نے بتایا فرے پین سے تیل جلنے اور دھواں اٹھانے کی اس چین نے اپنی آواز نکال کر ہمیں خبردار کیا۔ اسی دوران نیچے سڑک پر ایک کے بعد ایک دو تین بم گاڑیاں سائرن بجاتی آ گئیں۔ یہ سبھی فائر گاڑیاں سڑک پر کھڑے رہ کر اپنی پوزیشن سنبھالے لئے گئیں کے تین وردی پوش اوپر آئے اور عبدالرحیم بتکو سے آگ کی واردات کے بارے میں دریافت کیا۔ تمام جانکاری نوٹ کرنے کے بعد انہوں نے ایک نوٹس لکھا عبدالرحیم بتکو کا سائن لیکر چلتے بنے۔ میرے لئے یہ ایک عجوبہ تھا۔ یہاں ایک فلیٹ کے کچن میں فرے پین پر تیل یا گھی تیز آنچ میں اس قدر جل گیا کہ شعلہ بھڑکانے کے بجائے صرف دھواں چھوڑا اس پر کمرے کی چھت سے چین کھل کر چیختے چلاتے اویزان ہو گئی۔ اُدھر کوئی چار کلومیٹر دور فائیر برگیڈ کو پتہ چلا کس مقام پر کس بلڈنگ میں اور کس فلیٹ میں آگ لگنے کا پتہ چلا گیا ہے۔ فائیر برگیڈ کے واپس جانے کے کچھ دیر بعد عبدالرحیم کی بیوی بازار سے سودا سلف لائی اُسے حالات کی جانکاری دی گئی۔ بات آئی اور گئی۔ کچھ دیر بعد ہم ٹیبل کے گرد چائے نوش

فرمار ہے تھے کہ ایک جوان انگریز ایک پاکٹ لیکر اندر آیا اس نوجوان کو اندر آتے دیکھ کر عبدالرحیم بتکو کی مسز ااس کو ویلکم کرنے اس کے قریب آئی گلے مل گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کے ہونٹوں میں ہونٹ ملا کر زوردار کس کی۔ ہم سب نے یہ سارا منظر دیکھا عبدالرحیم بتکو ہم سے مخاطب ہوا۔ یہ میری بیوی کا بوئے فرینڈ ہے۔ اکثر ان سے ملنے یہاں آتا ہے۔ دونوں انجوائے کرتے ہیں۔ میرے لئے یہ بھی ایک عجوبہ تھا۔ ایک کشمیری باشندہ اس کی بیوی میم صاحب اور اس کا ایک انگریز بوئے فرینڈ جو شوہر کے سامنے بیوی کا گرم جوشی سے بوسہ لیتا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ سب ماحول کا اثر ہے۔

بہر حال ہم نے کل کا دن پیرس میں گھومنے کے لئے اس کے بعد مجھے اکیلا رکھ کر عبدالرحیم بتکو محمد اشرف شورہ کے ساتھ لین دین پر مجادلہ کرنے لگا۔ دونوں دیر تک کسی اہم مسئلہ پر باہم صلح مشورہ کرتے رہے۔ رات کا ڈنر کھا کر جب سونے کی تیاری کرنے لگے تو محمد اشرف کو بلجیم سے فون آیا۔ اس کا بیٹا سکول سے اب تک واپس نہیں آیا۔ اس المناک خبر سے محمد اشرف شورہ حواس باختہ ہو گیا۔ اس نے ابھی واپس جانے کا فیصلہ کرلیا۔ مجھے انہوں نے عبدالرحیم بتکو کے سپرد کیا تا کہ وہ مجھے کل پیرس میں گھمائیں اور پیرس کے نامور ٹاور کی سیر کرائے، میں نے اشرف کے غم میں شریک ہو کر اس کے ساتھ واپس جانے کا فیصلہ کرلیا میرے لئے یہ انسانیت کے بعید ہے کہ میں محض پیرس کا ٹاور دیکھنے کے لئے شریک سفر کے غم اور دکھ میں شریک نہ رہوں۔ ہم نے اسی وقت واپسی کا سفر باندھا صبح کے وقت ہم واپس بلجیم پہنچ گئے۔ راستے بھر چلتے ہوئے محمد اشرف کا بیوی کے ساتھ فون پر رابطہ رہا۔ ہمارا بلجیم میں اشرف شورہ کے گھر تک پہنچنے کے بعد ان کا بیٹا سکول روم سے بازیاب ہوا۔ پوری فیملی میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ محمد اشرف بیٹے سے ملنے سکول کی طرف گیا۔ انہوں نے مجھے برسلز کے لئے بس میں سوار کیا۔

یورپ کے سفر کے دوران یہ میرا پہلا بس کا سفر تھا۔ تمام کی تمام سواریاں ملکی تھیں۔ اکیلا میں اکیلا غیر ملکی بس کا سفر کر رہا تھا۔ مجھے یہ بتایا گیا۔ بس کہاں تک جائے گی۔ وہاں سے اپنے

ٹھکانے تک ٹیکسی لے جاسکے گی۔

کوئی سات بجے کے قریب یہ بس کسی ایک شہر میں بس اسٹینڈ کے اندر آئی۔ یہاں پر سواریاں ڈراپ کی گئیں جونہی میں بس سے اتر گیا۔ میرے نام کی آواز آئی۔ میں نے آواز کی طرف نظریں دوڑائیں شاہجہان میر اپنی گاڑی میں کسی کو یہاں چھوڑنے آیا ہے مجھ پر آپ کی نظر پڑی تو نام سے پکارا۔ مجھے اپنے ٹھکانے تک آسان لفٹ مل گیا۔۔۔ کشمیر سنٹر پر آ کر میں نے دیکھا۔۔۔ بیرسٹر عبدالمجید ترمبو کا چھوٹا بھائی ظہور احمد ہوٹل شہنشاہ یہاں بھائی سے ملاقات کے لئے سرینگر کشمیر سے آئے ہیں۔ وہ اس وقت جس کمرے میں بیٹھے گپ شپ کر رہے ہیں۔ اُن کے سامنے میری تاریخی دستاویز کا سیاسی انقلاب کھلی پڑی ہیں۔ ظہور احمد ترمبو کھڑے ہو کر مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ملے کل دن کو یہاں برسلز پہنچے ہیں اور رات کو اپنے بھائی کے ساتھ اُن کی رہائش گاہ پر رہنے کے بعد اب بھائی کے ساتھ آفس آئے ہیں۔ اب میر اظہور احمد کے ساتھ پورا دن گزر گیا۔ انہوں نے میرے سامنے کشمیر کا سیاسی انقلاب کے اُس باب کی نشاندہی کی جس میں ایک باب کا عنوان ہے۔

' کشمیر کے بزنس گھرانوں پر خفیہ ایجنسی کے چھاپے' مجھے محسوس ہوا ظہور احمد ترمبو کو اس تاریخی دستاویز میں یہ باب ناگوار گزرا کیونکہ اس چھاپہ کے دوران ان کا ادارہ ایم رمضانا بھی زد میں آیا تھا۔

بہر حال بیرسٹر نے جب ہم سے پیرس کے سفر کے بارے میں پوچھ لیا تو میری طرف سے اس سفر کی روداد جان کر انہیں بالکل ہو انہوں نے بتایا کل میں آپ کو اور ظہور احمد کو اپنے ساتھ پیرس لیجاؤں گا۔

البتہ کل ان کا پروگرام بدل گیا۔ انہیں کشمیر کے دونوں خطوں میں زلزلہ سے متاثرین کے لئے جمع شدہ فنڈس متاثرین تک پہنچانے کی ہدایت مل گئی تھی۔ بیرسٹر عبدالمجید ترمبو نے ان جمع شدہ فنڈس کے چار حصے کر دیئے ایک حصہ وادی کشمیر کے متاثرین کے لئے اور تین

حصے مظفر آباد کے متاثرین کے لئے مخصوص رکھے کیونکہ وادی کشمیر کے مقابلے میں مظفر آباد کا زیادہ مالی اور جانی نقصان ہوا ہے۔ بیرسٹر عبدالمجید ترمبو نے ایک حصہ وادی کشمیر اپنے سورس سے روانہ کیا البتہ مظفر آباد کے فنڈس لیکر پاکستان جانے کا خود فیصلہ کرلیا۔

ادھر مجید صاحب پاکستان جانے اور صدر پرویز مرف سے ملنے کی تیاری کرنے لگے۔

ادھر میں نے بھی اگلے روز واپسی کا فیصلہ سنا دیا کیونکہ میرے یہاں کل پانچواں روز پورا ہو رہا ہے۔

کل صبح مجھے نو بجے کے قریب اُس بندے کے سپرد کیا گیا جس کو میں خود سے باتیں کرنے والا نیم پاگل سمجھ رہا تھا۔ تسلیم احمد کار کی پارکنگ تک میرے ساتھ پیدل چلا وقت بھی وہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔ غالباً یہ جرمن زبان میں بات کر رہا ہے۔ راستے بھر چلتے ہوئے اس نے میرے ساتھ کوئی ایک بات بھی نہیں کی انہوں نے میری اٹیچی ڈکی میں رکھدی بریف کیس میں نے ہاتھ میں ہی رکھا ہم برسلز کے ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مجھے برسلز سے ڈومسٹک جہاز میں جرمنی تک جانا تھا۔ جرمنی سے یہاں کی ائیر لائن Lethonia کے ذریعے دہلی روانہ ہونا ہے۔ پروگرام کے مطابق سارا کچھ ٹھیک چلا۔ البتہ جرمنی کے ائیر پورٹ پر سامان کی تلاشی کے دوران جب بریف کیس سے چھ ہزار یورو ڈالر دیکھے گئے تو ان کو پکڑ کر ہم سے پوچھ تاچھ کی گئی۔ یہ جرمن زبان میں ہم سے ان ڈالروں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ اس کا میں نے اندازہ کرلیا جب میں نروس ہو کر کوئی جواب نہ دے سکا تو یہ چیکنگ آفیسر یورو ڈالر لیکر کہیں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک چیکنگ آفیسر کو ساتھ لایا جو انگریزی بول چال جانتا تھا۔ جب انہوں نے مجھے انگریزی میں یورو ڈالر کے بارے میں پوچھا تو میں نے اپنی جیب سے بلجیم کی ملکہ روز میری کا ذاتی کارڈ نکال کر ان کو دکھایا۔ کارڈ دیکھ کر وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر گویا چونک پڑے ان کا حلیہ ہی بگڑ گیا۔ انہوں نے مجھے سلوٹ کیا۔ بیگ اٹھا کر مجھے کونٹر تک لایا۔ میرا بورڈنگ کارڈ بنوایا۔ جب میرا لگیج اندر گیا تو مجھے ویٹنگ ہال تک ساتھ آ کر مجھے ایک صوفہ

پر بیٹھا گیا۔ یہ سارا کچھ اشاروں اور کناروں سے ہماری آپس میں گفتگو yes,no,very good تک محدود رہی۔

وقت مقرر پر جہاز آیا ہم اس پر سوار ہوئے۔ میں حیران ہوا مجھے جہاز میں اپنی سیٹ کے بجائے VIP میں بٹھایا گیا۔ ایک کے بعد ایک ائیر ہوسٹس آ کر ہم سے کھانے پینے کے بارے میں دریافت کرنے لگیں۔ جہاز نئی دہلی کے لئے اپنے مقرر وقت پر روانہ ہوا۔ جرمنی سے دہلی تک جہاز میں میری جو ناز برداری کی گئی اس کا کریڈٹ ملکہ بلجیم کے اس کارڈ کو جاتا ہے جو میری جیب میں VIP کی سند ہے۔

شبنم قیوم کی دیگر پانچ تصنیفات منظرِ عام پر

(۱) ''آ،اب سو جائیں'' — افسانوی مجموعہ

(۲) ''سوغات'' — خطوط، تہنیت نامے

(۳) ''تاکہ سند رہے'' — طنز و مزاحیہ

(۴) ''آ،اب لوٹ چلیں'' — فن اور فنکار

(۵) ''سون میراث'' — پرانی یادگار

شبنم قیوم کی دیگر پانچ تصنیفات منظرِ عام پر

(۱) "آ،اب سو جائیں" افسانوی مجموعہ

(۲) "سوغات" خطوط، تہنیت نامے

(۳) "تاکہ سند رہے" طنز و مزاحیہ

(۴) "آ،اب لوٹ چلیں" فن اور فنکار

(۵) "سون میراث" پرائی یادگار

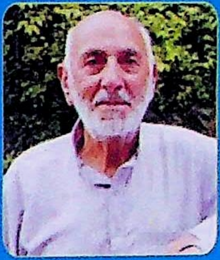

شبنم قیوم کی دیگر پانچ تصنیفات منظر عام پر

(۱) ''آ،اب سوجائیں'' افسانوی مجموعہ

(۲) ''سوغات'' خطوط، تہنیت نامے

(۳) ''تاکہ سند رہے'' طنزومزاحیہ

(۴) ''آ،اب لوٹ چلیں'' فن اور فنکار

(۵) ''سون میراث'' پرانی یادگار

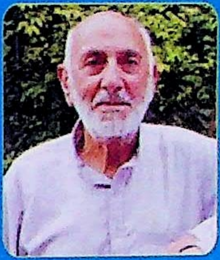

شبنم قیوم کی دیگر پانچ تصنیفات منظر عام پر

(۱) "آ، اب سو جائیں" افسانوی مجموعہ

(۲) "سوغات" خطوط، تہنیت نامے

(۳) "تا کہ سند رہے" طنز و مزاحیہ

(۴) "آ، اب لوٹ چلیں" فن اور فنکار

(۵) "سون میراث" پرانی یادگار